بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامۂ اردو

ریویو آف ریلیجنز (قادیان)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر مبصّر

ایڈیٹر

علی محمد اجمیری

بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۷ء

ماہ ہجرت ۱۳۲۶ ہش

جلد ۴۶ عدد ۵

562

...L MUSLIM UNI...
DELHI
5 MAY 194

مقاصد و قواعد رسالہ!

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اُردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیش نظر جاری فرمایا تھا۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرونِ ہند تین روپے اور بیرونِ ہند چار روپے ہے۔ طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپے لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیئے ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیلِ زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اُردو ماہنامہ ہے۔ بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے۔ اسلئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:۔

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیس روپے	اٹھتر روپے	ایک سو چالیس روپے	دو سو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	ایک سو پچاس روپے
ربع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	چون روپے	نوّے روپے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز اردو

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

عدد ۵	ماہِ جمادی الثانیہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۷ء	جلد ۴۶

Accession ...12٤٩١٥...
Date ...26.7.93...

فہرستِ مضامین

فرقہ وارانہ فسادات اور ہمارا فرض	صہ ۲	ایڈیٹر
مسئلہ ختمِ نبوت قرآن کریم کی روشنی میں	صہ ۸	از حضرت علامہ مولانا غلام رسول صاحب فاضل راجیکی
مسئلہ کفر و اسلام کی حقیقت	صہ ۲۱	از مولانا عبد الاحد صاحب فاضل مدرسہ احمدیہ قادیان
ہندوستان میں تاریخِ تبلیغ اسلام	صہ ۲۵	از جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی
اصحاب احمد علیہ السلام	صہ ۴۱	از جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان

فرقہ وارانہ فسادات اور ہمارا فرض

سِول وار اور خانہ جنگی یہ دو الفاظ ہیں، جو گذشتہ سال ڈیڑھ سال کے عرصہ سے ہر چھوٹے بڑے ہندوستانی لیڈر کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے، اور جنہیں یہ اپنی تقریروں، تحریروں اور بیانات میں بلا سوچے سمجھے استعمال کر رہے تھے۔ آخر یہ شعلہ بیانیاں اور اشتعال انگیزیاں رنگ لائیں، اور آہستہ آہستہ سارا ہندوستان واقعی خانہ جنگی کی لعنت میں مبتلا ہو گیا۔ کلکتہ سے لیکر پشاور تک اور بمبئی سے لیکر نیپال کی حد تک قریباً ہر صوبہ میں بدامنی پھیل رہی ہے، اور فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بڑے زور سے شعلہ زن ہے۔ بے خبر راہگیروں پر حملے ہو رہے ہیں، بیگناہ انسانوں کا خون بہایا جا رہا ہے، اور سنگدلی اور شقاوتِ قلبی کی حد یہ ہے، کہ عورتوں اور معصوم بچوں تک کو موت کے گھاٹ اُتارنے سے بھی پرہیز نہیں کیا جاتا۔

فرقہ وارانہ فسادات سے سرزمینِ ہند بہت عرصہ سے آشنا ہے، مگر اب کی مرتبہ کے فسادات اپنی نظیر آپ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ فرقہ پرست لیڈروں کی زہریلی تقریروں اور تحریروں سے ہر فرقہ کے لوگ اپنی بدِ مقابل قوم کے لوگوں کو نیست و نابود کرنے پر تُلے بیٹھے ہیں، اور اس کے لئے انہوں نے پُوری تیاری کر رکھی ہے۔

گو یہ فسادات گذشتہ سال کی ابتداء ہی سے شروع ہیں، مگر ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو جب برطانوی حکومت نے یہ اعلان کیا، کہ ہم جون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور ہندوستانیوں کے سپرد کر کے یہاں سے چلے جائیں گے، تب سے اِن فسادات

میں بہت تیزی آگئی ہے۔ ہر فرقہ اس کوشش میں ہے کہ ہم ہی سارے اختیارات سنبھال لیں اور دوسرے فرقوں کو کلیۃً محروم کر دیں۔ حصولِ اقتدار کی یہ خواہش ہی ساری مصیبت کی جڑ ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک خالص سیاسی جنگ ہے مگر چونکہ ہمارے ملک میں سیاسی پارٹیوں کی بنا بالعموم مذہب پر ہے اسلئے اس سیاسی جنگ میں مذہب کو بھی زبردستی گھسیٹا جا رہا ہے اور اس کی مٹی بُری طرح پلید کی جا رہی ہے۔ جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے وہاں جب ہندو اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے پر آتے ہیں تو ہزاروں معصوم بچوں عورتوں اور بیگناہ مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے علاوہ بہت سی عورتوں کو اغوا کر لیتے اور ان کو زبردستی ہندو بنا کر ان سے شادیاں کر لیتے ہیں۔ اسی طرح جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں وہ بھی کم و بیش ایسے ہی افعال کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ہر قوم کے ڈاکو اور لٹیرے طبقہ کو مذہب کی آڑ میں کمینہ افعال کرنے کا یہ ایسا عمدہ موقعہ ہاتھ آیا ہے کہ وہ انسانیت سوز افعال کرنے کے باوجود اپنی قوم کے ہیرو کہلاتے ہیں۔ ہندوستان کی اس جہالت پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

کاش! ہندو اور مسلمان دونوں یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ مذہب کی تبدیلی کا تعلق دل سے ہے۔ وہ تبدیلی جو کسی سے جبراً کرائی جائے بالکل بے معنی ہے۔ تبدیلی کرنے والے کیلئے تو اسکی حیثیت ظاہر ہی ہے خود مجبور کرنیوالے اور اسکی قوم کو بھی اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ اس جبری تبدیلیٔ مذہب کی تہ میں یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ تبدیلی پر مجبور کرنیوالی قوم کی تعداد میں اضافہ ہو جائیگا۔ لیکن کیا کوئی قوم ایسے لوگوں کے اضافہ سے خوش ہو سکتی ہے جو دل میں اسکے خلاف سخت کینہ اور عداوت کے جذبات پرورش کر رہے ہوں۔ یہ لوگ تو موقع پاتے ہی اندر سے اُن کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور اندرونی دشمن جیسا نقصان پہنچانے والا کوئی دشمن نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے لَا اِکْرَاہَ

فِی الدِّیْنِ کا زرّیں حکم دیکر مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ قومی طور پر نہایت سخت ضرر رساں اور نقصان دہ امر ہے۔

جہانتک مختلف مذاہب کی بنیادی تعلیمات کا تعلق ہے کوئی مذہب بھی ایسی وحشت اور بربریت اور سفاکی کی تعلیم نہیں دیتا جس کا ارتکاب آج ہندوستان میں ہندو اور مسلمان کر رہے ہیں۔ لیکن عوام کی جہالت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے لیڈروں نے ان کو غلط راہ پر ڈال دیا ہے، اور ہندو مسلمان کو قتل کرنا اور مسلمان ہندو کو موت کے گھاٹ اُتارنا ثواب عظیم کا موجب سمجھتا ہے۔

اِن فسادات میں فرقہ پرست لیڈروں کی خوب بن آئی ہے' وہ پہلے اپنی قوم کے جذبات کو مشتعل کر کے ان کو تشدد پر اُکساتے ہیں' اور جب فساد ہو جاتا ہے' تو وہ ریلیف کے نام پر لاکھوں کروڑوں روپے چندہ جمع کر کے اُسے اپنی مرضی کے مطابق تصرف میں لاتے ہیں۔ نقصان جو کچھ ہوتا ہے وہ عوام کا ہوتا ہے۔ قتل ہوتے ہیں تو عوام' لُٹتے ہیں تو عوام' گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں تو عوام' اور بیوی بچوں سے محروم ہوتے ہیں تو عوام۔ لیڈر تو ان تمام آفات سے اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ فسادات کرواتے ہیں۔ ورنہ اگر انکو بھی نقصان جان و مال کا پہنچے' تو کیا مجال ہے کہ پھر کبھی فساد کا نام بھی لے جائیں۔

اگر عوام اِس حقیقت کو سمجھ لیں' اور لیڈروں کی خود غرضی اُن پر واضح ہو جائے' تو امید کی جا سکتی ہے کہ یہ فسادات بہت جلد ختم ہو جائیں۔ مگر عوام کو سمجھائے کون؟ مشکل یہ ہے کہ مذہبی راہنما بھی اِس رَو میں بہہ رہے ہیں' اور وہ بھی اپنے زیر اثر لوگوں کو نہ اِن ننگِ انسانیت افعال کے ارتکاب سے روکتے ہیں' اور نہ انہیں یہ بتلانے کی جرأت اور ہمت کرتے ہیں کہ ان کے یہ افعال ثواب کے نہیں' بلکہ عذاب کے موجب ہیں۔

مسلمان کو خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں شہید یعنی تمام دُنیا کا نگران قرار دیا ہے، جیسا کہ فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ یعنی اے مسلمانو! ہم نے تم کو وسطی اُمت بنایا ہے، جو افراط و تفریط سے پاک اور میزانِ اعتدال سے نہ اِدھر جُھکنے والی ہے، اور نہ اُدھر تاکہ تم سب لوگوں پر نگران بنکر رہو●

گویا مسلمان کا منصب اسلام نے یہ مقرر فرمایا ہے، کہ وہ تمام دُنیا کا نگران ہے، اور سب لوگوں کی جسمانی اور روحانی حفاظت کا ذمّہ دار۔ جہاں کہیں اسے کوئی بے انصافی نظر آئے، اس کا فرض ہے، کہ اس بے انصافی کو دُور کرے، اور جہاں کوئی خرابی نظر آئے، اس کی اصلاح کی کوشش کرے۔ یہی وہ اعلیٰ مقام ہے، جس کا پاس اور لحاظ کرنے کی وجہ سے مسلمان ہر قوم کا عزیز بن گیا تھا۔

حمص سے جب خلافتِ راشدہ کے عہد کے مسلمان جنگی ضروریات کی بناء پر نکلنے لگے، تو اہلِ حمص رو رو کر اُن کو روکتے تھے، اور ان کے لئے دعائیں کرتے تھے، کہ خدا ان فرشتہ خصلت انسانوں کو جلد از جلد دوبارہ واپس لائے اسکی وجہ کیا تھی؟ یہی کہ مسلمان جہاں جاتا تھا رحمت بن کر جاتا تھا، اور بنی نوع انسان کی خدمت اپنا فریضہ سمجھتا تھا۔ اور دُنیا اسے فرشتۂ امن سمجھتی تھی۔

شام کے عیسائیوں نے رومی عیسائیوں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کیوں کی تھی؟ اس لئے کہ مسلمانوں کا کیریکٹر مضبوط تھا، اور وہ سب کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کو اپنا اسلامی فرض سمجھتے تھے۔

یہ تاریخی واقعات ہیں، حقائق ہیں، افسانے نہیں ہیں۔ دُنیا میں کسی قوم نے ظالم بن کر کبھی ترقی نہیں کی۔ ترقی کے لئے شرافت اور انسانیت کے اعلیٰ جوہروں کی ضرورت ہے۔ جب کوئی قوم اخلاق اور کیریکٹر کے اعتبار سے پختہ ثابت ہو جاتی ہے

تو سب اُس سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ وہ رُعب جو ڈاکہ زنی اور قتل و غارت سے پیدا کیا جائے، کبھی کسی قوم کے حق میں مفید نہیں ہو سکتا۔ یہ رُعب دوسرے لوگوں میں بداعتمادی پیدا کرتا ہے۔ اور جس قوم پر دُنیا کو بداعتمادی ہو وہ کبھی پنپ نہیں سکتی۔ لیکن جو رُعب اخلاق اور کیریکٹر کی مضبوطی سے حاصل ہوتا ہے، وہ قوموں کو بامِ عروج پر پہنچا دیتا ہے۔ یہی وہ رُعب ہے کہ جب یہ ادنیٰ اور کمزور قوموں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ دُنیا کی قسمتوں کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ اس کی شاہد ہے۔

احمدی جماعت جو اِس زمانہ میں خدا تعالےٰ کے ایک مامور کی جماعت ہے، اور جس نے اسلام کی تعلیم کو دُنیا میں قائم کرنے کی ذمہ واری اُٹھائی ہے اُسے اپنا یہ مقام کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ ہمیشہ یہ بات مدِنظر رکھنی چاہیئے کہ وہ اسلام کے اعلیٰ اصول کی حامل ہونے کی مُدّعی ہے۔ لہٰذا اس کا ہر عملی قدم اس کے اِس دعویٰ کی تائید میں اُٹھنا چاہیئے۔

خدا تعالےٰ جس قوم کو دُنیا کی اصلاح کے لئے چُنتا ہے، وہ ساری دُنیا کے لئے نمک کی حیثیت رکھتی ہے۔ سو ہم انسانی سوسائٹی میں نمک کا درجہ رکھتے ہیں جس طرح نمک کے بغیر انسانی زندگی قائم نہیں رہ سکتی، اسی طرح زندگی کے اعلیٰ اصول اور تقویٰ اور پاکیزگی کی وہ تعلیم جو اسلام اور احمدیت نے ہمیں دی ہے، اس کے بغیر بھی انسانی زندگی محال ہے۔ ہم گو تھوڑے ہیں۔ مگر نمک بھی تو کھانے میں تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ پس ہمیں اپنی قلتِ تعداد اور بے بضاعتی کے احساس کو دل سے نکال کر اپنا فرض ادا کرنا ہے، اور اِن پُرفتن ایام میں دُنیا کو امن، صلح اور محبت کا پیغام دینا ہے۔

موجودہ فسادات میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے؟ اس کے لئے ہمارے

مقتداؤں کے مندرجہ ذیل ارشادات ہمارے لئے مشعل راہ کا حکم رکھتے ہیں۔

(۱) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ہمارا اصول یہ ہے کہ کُل بنی نوع کی ہمدردی کرو۔ اگر ایک شخص ایک ہمسایہ ہندو کو دیکھتا ہے کہ اسکے گھر میں آگ لگ گئی ہے اور یہ نہیں اُٹھتا کہ آگ بجھانے میں مدد دے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اگر ایک شخص ہمارے مریدوں میں سے دیکھتا ہے کہ ایک عیسائی کو کوئی قتل کرتا ہے اور وہ اُسے چھڑانے کیلئے مدد نہیں کرتا تو میں تمہیں بالکل درست کہتا ہوں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (سراج منیر ص۲)

(۲) سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے موجودہ فسادات کے بارے میں اپنی جماعت کو ہدایات دیتے ہوئے حال ہی میں فرمایا ہے:۔

"ہمیں لوگوں میں صلح کرانے کیلئے اپنی جانیں لڑا دینی چاہئیں۔ جان بیشک قیمتی چیز ہے۔ مگر اخلاق کے مقابلہ میں اسکی کوئی قیمت نہیں۔ ان فسادات میں لوگوں نے جو شنیع افعال کئے ہیں اس وقت ہماری جماعت کو چاہیئے تھا کہ وہ بیچ میں حائل ہو جاتی، اور کہتی کہ تم عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی بجائے ہمیں قتل کرو۔ اگر وہ ایسا کرتے تو تم دیکھتے کہ یہ فسادات بڑھنے نہ پاتے۔ کیونکہ غیر محل اور نامناسب جگہ پر عداوت اور غصہ فروغ نہیں پکڑتا۔ اور بہت جلد ندامت محسوس ہونے لگتی ہے۔ پس ایسے مواقع پر اگر ہماری جماعت آگے بڑھے اور ظالموں کی راہ میں حائل ہو جائے تو ظلم کبھی بھی پنپ نہ سکے، اور اس کی بنیادیں ہل جائیں اور ظالموں کے دل پگھل جائیں۔" (الفضل مورخہ ۵ اپریل ۱۹۴۷ء)

ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ آجکل کے حالات میں ان ارشادات عالیہ کو پیش نظر رکھے، اور مختلف قوموں میں صلح اور امن قائم کرنے کی پوری کوشش کرے، اور اس مقصد کیلئے اگر اسے اپنی جان بھی دینی پڑے تو اس سے ہرگز گریز نہ کرے۔ کیونکہ یہ مقدس اور پاکیزہ مقصد ہے جسکے لئے جان دینا

ارشادات سے کہ وہ نہیں رکھتا

مسئلہ ختمِ نبوّت قرآن کریم کی روشنی میں

(از حضرت علامہ مولانا غلام رسول صاحب فاضل راجیکی)

مسئلہ ختم نبوت کا اصل ماخذ قرآن کریم کی آیت خاتم النّبیین ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین اسی آیت کی رُو سے قرار دیا گیا ہے۔ ختم نبوّت کے منصب کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت بھی آپ کے خاتم النّبیین ہونے سے ہی ماخوذ ہے۔

باوجودیکہ اُمتِ محمدیہ کثیر التعداد فرقوں میں بٹ چکی ہے، اور اپنے اندر کئی طرح کے اختلافات رکھتی ہے۔ لیکن اس بات پر کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم النّبیین ہونا آپ کے لئے باعثِ فضیلت ہے، اور محلِّ مدح پر ہے نہ کہ محلِّ ذم پر اُمّت کے سارے ہی فرقوں کا اتفاق ہے۔ اور جب آپ کے خاتم النّبیین ہونے کو محلِّ مدح پر تسلیم کیا جائے تو لازماً ختم نبوّت کو بھی جو آپ کا منصب ہے محلِّ مدح پر ہی تسلیم کرنا پڑے گا۔ پس اس بحث میں کہ خاتم النّبیین سے کیا مراد ہے اور ختمِ نبوّت کا کیا مطلب ہے، اگر اس کے لئے دونوں کا نقطۂ مرکزی محلِّ مدح اور امرِ فضیلت قرار دیا جائے، تو یہ بحث بہت جلد ختم ہو سکتی ہے، اور اختلافی صورت اتحادی تبدیل ہو سکتی ہے۔

غیر احمدی علماء کا اہم اختلاف ہم احمدیوں سے علی العموم آجکل مسئلہ ختم نبوت کے متعلق ہی پایا جاتا ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں بھی کئی پہلوؤں کے لحاظ سے ہمارا

اور اُن کا اتفاق ہے مثلاً وہ یہ مانتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا، جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کرے، اور ہم بھی یہی مانتے ہیں۔ پھر وہ یہ مانتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا نبی بھی نہیں آسکتا جو آپؐ کی اتباع سے الگ ہو کر یا آپؐ کی شریعت کی پیروی کے سوا آئے، اور ہم بھی یہی مانتے ہیں۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد مسیح موعود آنیوالا نبی اللہ ہے، اور ہم بھی یہی مانتے ہیں۔ وہ اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ آنیوالا مسیح موعود شریعت محمدیہ کا تابع ہو کر آنیوالا ہے نہ کہ ناسخ شریعتِ محمدیہ ہو کر، اور ہم بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہاں فرق ہے تو یہ کہ غیر احمدی علماء مسیح موعود سے مراد مسیح اسرائیلی لیتے ہیں، اور ہم مسیح موعود سے مراد مسیح محمدی لیتے ہیں اور مسیح اسرائیلی کی وفات کے ثبوت سے ہماری تائید ہوتی ہے، اور ان کی تردید نیز ہمارے نزدیک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والا نبی آپؐ کی اُمت سے آسکتا ہے، اور آپؐ کے فیض سے۔

اب غیر احمدی علماء خاتم النبیین یا ختم نبوت کے مفہوم کو جن معنوں میں بھی سمجھیں، اگر وہ اِن کے مفہوم کو محلِّ مدح یا امرِ فضیلت پر محمول کریں گے تو نبوتِ مطلقہ کی نفی سے تو وہ اپنے عقیدہ کو خود باطل کرنے والے ٹھہریں گے۔ کیونکہ اگر وہ یہ تسلیم کریں کہ خاتم النبیین اور ختم نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کسی طرح کا بھی نبی نہیں آسکتا، تو اس سے ایک طرف تو ان کا یہ عقیدہ باطل ٹھہرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسیح موعود آئیں گے جنہیں پیشگوئی میں نبی اللہ قرار دیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کی اُمت سے تیس بلکہ بعض روایات میں ستّر اور بہتّر دجّالوں کا آنا ثابت ہے، جو اُمتِ محمدیہ کے علاوہ دوسری اُمتوں کو بھی گمراہ کرنے کے لئے فتنہ اور فساد برپا کریں گے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس صورت میں ایسے دجّالی فتنوں کو دُور کرنے کے لئے کسی نبی کا مبعوث نہ ہونا بلکہ نبی کی بعثت کو

روکنا اور دجالوں کو نہ روکنا، کیا اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا یا آپ کا منصبِ ختم نبوت محلِّ مدح پر ثابت ہو سکتا ہے، یا عقل اسے باعثِ فضیلت قرار دے سکتی ہے؟

اور آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ[1] سے یہ استدلال کرنا کہ جب دین کامل ہو چکا اور نعمت بھی پوری ہو گئی تو پھر اب نبوت کیسی؟ جب قیامت تک یہی کامل دین قائم رہنے والا ہے، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو کامل نعمت ہے، وہ بھی قیامت تک باقی رہنی ہے تو اب کسی اور کی نبوت کے لئے گنجائش ہی کہاں رہی؟ کیونکہ جس طرح قیامت تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دین قائم رہنے والا ہے، ویسے ہی آپ کی نبوت بھی قیامت تک قائم رہنے والی ہے۔ سو واضح ہو کہ اس استدلال کے متعلق چند ایک امور قابلِ ذکر ہیں۔

(الف) آیت پیشکردہ میں ضمیر جمع لکم و دینکم و علیکم بیجمع مخاطب کے طور پر استعمال کی گئی ہے، اس کے مخاطب اُمتِ محمدیہ کے لوگ ہیں، جو قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ اور جب دین کو بلحاظ ضمیر خطاب انہی کے لئے کامل کیا گیا ہے تو نعمت کو پورا بھی بلحاظ ضمیر مخاطب انہی پر کیا گیا ہے۔ اور نعمت پوری اگر نبوت ہے، تو اس آیت میں اُمتِ محمدیہ کو نبوت ملنے کا وعدہ بھی دیا گیا ہے۔ ہاں جس طرح دین کامل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملا ویسے ہی نبوت کی نعمت بھی آپ کی اتباع اور فیض کے ذریعہ پوری پوری ملے گی۔ اور اس ضمیر خطاب سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے سوا آئندہ نہ دینِ کامل کسی اُمت کو مل سکتا ہے، اور نہ انعامِ نبوت یعنی آئندہ آنے والا نبی اُمتِ محمدیہ کا فرد ہوا کرے گا نہ کسی دوسری اُمت کا۔ یعنی اُمتی نبی ہونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کے لئے بطور علامتِ فضیلت ہوگا۔

---

[1] ترجمہ:- آج کے دن میں نے مکمل کر دیا تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت۔

(ب) دینِ کامل کا قیامت تک کے لئے پایا جانا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ محفوظ بھی رہے۔ مکانات کی عمارت کامل بنائی جاتی ہے لیکن جب محفوظ نہیں رہتی اور گر کر ویران ہو جاتی ہے تو اُسے دوبارہ بلکہ سہ بارہ بھی بنایا جاتا ہے۔ ہاں محفوظ عمارت کو دوبارہ بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اِسی طرح دینِ اسلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کامل بھی ہے اور اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[1] کی رو سے محفوظ بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت یعنی دینِ اسلام اور قرآن کریم کو ہمیشہ کے لئے محفوظ ہونے کے باعث دائمی طور پر پیش کیا گیا۔ اور اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دوسرے نبیوں کے مقابل میں اس امر میں فضیلت حاصل ہے کہ دوسرے نبیوں کی شریعت اور دین مخصوص القوم، مخصوص الزمان اور مخصوص الحالات تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دائمی شریعت تمام دُنیا کے لئے عطا فرمائی گئی۔ پس آپ کے بعد کسی نئی شریعت کے لئے کسی نبی کا مبعوث کیا جانا چونکہ شریعتِ محمدیہ کے نسخ کا ذریعہ ٹھہرتا ہے، اور اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا وسیع دامن جو قیامت تک خدا تعالےٰ کے وعدہ کے مطابق پھیلایا گیا ہے، اس کا ابطال لازم آتا ہے، اس لئے ایسے نبی ناسخِ شریعتِ محمدیہ کا آنا ممتنع قرار دیا گیا۔ لیکن ایسی نبوت جس سے شریعتِ اسلامیہ کی حفاظت اور حمایت اور اشاعت کا فائدہ حاصل ہو، اور اُمتِ محمدیہ کے لئے ہر دورِ جدید میں نئے نئے تغیرات کے باعث نئی تربیت اور اصلاح کی ضرورت کو پورا کرنے والی ہو، اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور فیض سے ہو، تو ایسی نبوت باعث فضیلت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے، اور اُمتِ محمدیہ کے لئے بھی۔ ہاں اگر کسی دوسری اُمت سے نبی آئے، جیسا کہ غیر احمدی علماء حضرت مسیح اسرائیلی کے آنے کے متعلق عقیدہ

---

[1] یقیناً ہم نے اتارا ہے اِس نصیحت کو اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں +

رکھتے ہیں، تو اس سے اُمتِ محمدیہ اور اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شک کسرِ شان اور ہتک مقصود ہے۔

(ج) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو مستقل اور شریعت والی اور قیامت تک کے لئے ہے، اس کا مستقل اور دائمی شریعت والا ہونا ہی خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مستقل نبوت کا پایا جانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل نبوت کے منافی اور آپ کے بعد کسی نئی شریعت والی نبوت کا پایا جانا آپ کی شریعت والی نبوت کے منافی اور آپ کے بعد کسی دائمی شریعت والی نبوت کا پایا جانا آپ کی دائمی شریعت والی نبوت کے منافی ہے۔ لیکن ایسا انعام نبوت جو دُعائے سورۂ فاتحہ یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ کی رو سے اور آیت وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ[1] کی شرطِ اطاعت کے پورا کرنے کی رو سے اُمتِ محمدیہ کے لئے قومی انعام کے طور پر منصور کیا گیا ہے، (جیسے کہ حکومت اور سلطنت بھی انعامِ نبوت کی طرح قومی انعام ہے) تو ایسی نبوت کا ملنا اُمتِ محمدیہ کے لئے ضروری ہے۔ اور اسی میں دینِ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ورنہ محرومی پر تخلفِ وعدہ کا الزام عائد ہوتا ہے، جو اللہ تعالےٰ کی ذات کے لئے مناسب نہیں۔

(د) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو مستقل اور دائمی شریعت والی ہے، وہ بوجہ محفوظ اور قائم رہنے کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مستقل اور دائمی

---

[1] ترجمہ:- اور جو اطاعت کرے گا اللہ کی اور اس رسول کی تو ایسے لوگ ان لوگوں میں سے ہونگے جن پر انعام کیا اللہ نے یعنی نبی، صدیق، شہید اور صالح ۔

شریعت والی نبوت کو روکتی ہے لیکن اُمت محمدیہ کا وجود چونکہ دین اسلام اور شریعت محمدیہ اور قرآن کریم کی طرح ایک حالت پر قائم رہنے والا نہیں۔ بلکہ ہر نئی نسل اُمتِ محمدیہ کے سلسلہ کو نئی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ اور اس کی ہر نئی نسل کی تبدیلی سے نئے حالات اور نئے نئے تغیرات کا رونما ہونا ضروری تھا۔ اس لئے اُمتِ محمدیہ کی ہر نئی نسل کے لئے نئے اُستاد اور نئے شاگرد اور نئے امام اور نئے مقتدی پیدا ہونے سے اُن کے مذہبی خیالات میں بھی بدعات اور ضلالات کا پیدا ہو جانا ممکنات سے تھا۔ جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ ابو الموحدین کی نسل بدلتے بدلتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ظہور تک توحید کو چھوڑ کر بتوں کی پرستار ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرما دیا تھا کہ خیر القرون کے تین زمانوں تک ہی خیر و رشد اور صداقت و ہدایت کا سلسلہ قائم رہے گا۔ بعد میں کذب و ضلالت اور بدعات کا دروازہ کھل جانیوالا ہے۔ اور اُمتِ محمدیہ میں دجالوں کے ذریعہ فتنے اور فسادات زور کیساتھ پیدا ہو جانیوالے ہیں۔ یہاں تک کہ ایمان ثریا پر چلا جانے والا ہے۔ اسلام کا محض نام رہ جائیگا اور قرآن کی رسم۔ اور مساجد کا ہدایت کی محرومی سے ویران ہو جانا۔ علماء سُوء کا بدترین خلائق ہو جانا وقوع میں آجائے گا۔ پس جب اُمت محفوظ نہ رہنے والی تھی تو اُس کے لئے بغرضِ ہدایت و اصلاح کسی نبی کا مبعوث فرمایا جانا لابدی امر تھا۔ اور مسیح موعود اور مہدی کی پیشگوئی کے مطابق کسی کا آنا بھی ضروری تھا۔ اور کسی نبی کا آنا صرف شریعت اور احکامِ شریعت اور تکمیلِ شریعت کے لئے ہی نہیں ہوتا بلکہ قرآن کریم کی آیت كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ[1]

---

[1] ترجمہ:۔ لوگ ایک ہی گروہ تھے پس اللہ نے نبیوں کو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا اور اتاری اُن کیساتھ کتاب تا وہ فیصلہ کرے لوگوں کے درمیان جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

روسے اُمت کے باہمی اختلافات کے درمیان فیصلہ کرنے کی غرض سے بھی نبی مبعوث کئے جاتے ہیں۔ اور جب اُمتِ محمدیہ کا تفرقہ بہتر تہتر فرقوں تک خود حدیث نبوی میں مروی ہے، اور ان کے اختلافات کے لئے مسیح موعود کا حکم عدل ہوکر آنا بھی مصدقہ امر ہے، تو ایسے نبی کے آنے سے کسی قسم کا محذور لازم نہیں آتا۔ بلکہ ایسے نبی کا نہ آنا خود قابلِ اعتراض امر ٹھہرتا ہے

اسی طرح آیت وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ[۵] اور آیت دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا[۶] سے یہ نتیجہ نکالنا کہ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے رحمۃ للعالمین اور سراج منیر قرار دیا ہے اسلئے آپ کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں، غلط ہے۔ کیونکہ یہ عجیب بات ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین اور سراج منیر ہونا دجالوں کی آمد کو تو نہ روکے جو مومنوں کو کافر اور موحدوں کو مشرک اور بہشتیوں کو دوزخی بنانے والے ہیں لیکن جو شخص نبی مبعوث ہوکر ان دجالوں کے فتنوں اور فسادات کو دُور کرنے کے لئے آئے اُس کی آمد کو آپؐ کا رحمۃ للعالمین اور سراج منیر ہونا منع کرے۔ کیا اس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین اور سراج منیر ہونا محلِّ مدح پر ثابت ہوتا ہے یا محلِّ ذم پر۔ گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رحمت اور انارت دجالوں کو نہیں روکتی، مگر نبیوں کو روکتی ہے۔ وباؤں کو تو پھیلنے کے لئے اجازت ہے تا لوگ مریض ہوں اور ہلاک ہوں، اور ڈاکٹروں کے لئے اجازت نہیں تا اُن کے علاج سے کوئی شخص مرض اور ہلاکت سے بچ سکے۔ معلوم نہیں کہ اس طرح کی شان رحمت

۵ ترجمہ:۔ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر رحمت بنا کر سب جہانوں کے لئے۔

۶ ترجمہ:۔ اے نبی! ہم نے بھیجا ہے تجھ کو پکارنے والا بنا کر اللہ کی طرف اُسکے اذن سے اور سورج روشن کرنے والا +

اور شانِ امارت خدا تعالےٰ کی کس حکمت پر محمول ہو سکتی ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کی قدوس اور حکیم ذات کی طرف ایسی بات منسوب کی جا سکتی ہے؟ وسبحان اللّٰہ عمّا یصفون۔

پھر تعجب ہے کہ علماء مخالفین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر کی شان سے سورج قرار دیکر آپ کی موجودگی کو کسی نبی کے ظہور کے لئے تو مانع قرار دیتے ہیں لیکن اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سورج ہونا کسی نبی کو روکتا ہے اس لئے کہ اُمت کیلئے آپ کا سورج ہونا کافی ہے تو پھر خود ان علماء کی اِس سورج کی موجودگی میں کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ کیا اُمت کے لئے اِن علماء کی جگہ جو کرم شب کیطرح ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کافی نہیں؟ اور اگر تعلیم اور ہدایت کے لئے اُمت کی ہر نئی نسل کے لئے نئے علماء کی ضرورت ہے تو علماء کے بگڑ جانے پر نبیوں اصلاح اور ہدایت کے لئے کسی نبی کی ضرورت نہیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی خصوصیت محلِ مدح کے لحاظ سے کن معنوں پر دلالت کرتی ہے۔ سو اس کے لئے مندرجہ ذیل اشارات عرض کرتا ہوں۔

(۱) چونکہ خاتم النبیین کا مرتبۂ فضیلت تمام نبیوں اور رسولوں میں سے صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی مخصوص کیا گیا ہے اس لئے آپ کی اِس خصوصیت نے بعد میں آنے والے نبی اور منصبِ نبوت پر فائز ہونے والے رسول کے لئے پہلے نبیوں اور رسولوں کے مقابل یہ خصوصیت پیدا کر دی کہ وہ اُمت محمدیہ سے ہو۔ اور اُمتِ محمدیہ سے ہونا یا اُمتی نبی ہونا ایک نئی اصطلاح ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی نئی اصطلاح کے باعث پیدا ہوئی۔

اور خاتم النبیین کی نئی اصطلاح سے اُمتی نبی کی نئی اصطلاح کا پیدا ہونا بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اُمتِ محمدیہ کے لئے باعثِ فضیلت ہے نہ کہ باعثِ

نقص۔ کیونکہ اُمتی نبی سے مراد ایسا نبی ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کی اُمت سے آنے والا ہو نہ کسی دوسرے نبی کی اُمت سے، جیسا کہ پیشگوئی میں مثیلِ موسےٰؑ کی آمد کی نسبت حسبِ ارشاد اَلرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ [1] آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اُمّی نبی ہونے کی خصوصیت ظاہر کی گئی، کہ وہ آنے والا اُمّی نبی اُمّ القریٰ (مکّہ) سے ظاہر ہونے والا ہے۔ اِس میں یہ بتایا گیا ہے، کہ مثیلِ موسیٰ بنی اسماعیلی نسل سے آنے والا ہے، جن کا وطن عرب اور مرکزی شہر مکّہ ہوگا، نہ کہ اسحاقی اور اسرائیلی نسل سے، جن کا وطن مُلک شام ہے۔ اسی بناء پر ارشاد هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ [2] میں اس پیشگوئی کی تصدیق میں فرمایا گیا کہ خدا نے وہ رسول جس کا وعدہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی مشترکہ دُعا میں کیا گیا تھا اُسے اُمّیّٖن یعنی اُمّ القریٰ والوں میں سے مبعوث فرمادیا۔ پس جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مثیلِ موسےٰؑ ہوکر آئے، اُن کا اُمّی ہونا یعنی اُمّ القریٰ سے ظاہر ہونا اور اسماعیلی خاندان سے ہونا بطور علامت مقرر کیا گیا تھا، اور اِن معنوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا اسحاقیوں کے بالمقابل اسماعیلیوں کے لئے باعثِ فضیلت قرار پایا۔ اِسی طرح مسیحِ محمّدی کا اُمتی نبی ہونا دوسری اُمتوں کے بالمقابل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کیلئے باعثِ شرف و فضیلت ٹھہرایا گیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والا نبی جو مسیح موعود ہوکر آنے والا تھا اس کی نسبت قرآن کریم میں وَعَدَ اللّٰهُ

---

[1] ترجمہ:۔ رسول، نبی، اُمّی وہ جسے یہ پاتے ہیں لکھا ہُوا اپنے ہاں تورات اور انجیل میں +

[2] ترجمہ۔ وہی ہے جس نے بھیجا اُمیوں میں رسول اُنہیں میں سے +

اَلَّذِیْنَ[۱] اٰمَنُوْا مِنْکُمْ اور حدیث میں قرآنًا مُکُمْ مِنْکُمْ[۲] کے ارشاد میں لفظ مِنْکُمْ سے اس طرف اشارہ کیا گیا تھا کہ وہ اُمتی نبی ہوگا ' اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہی سے آنا اس کی خاص علامت ہے۔ جیسا کہ ظہور میں آکر اس کی تصدیق بھی ہو چکی۔

(۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمۃ للعالمین بنائے گئے ' اور سب نبیوں اور رسولوں کے قائم مقام ہو کر آنے سے تمام نبیوں اور رسولوں کی اُمتوں کو آپؐ ہی کی ایک اُمت قرار دے دیا گیا ' اس لئے آپؐ کے آنے کے بعد آئندہ منصبِ نبوت آپؐ کی قومِ ہدایت اور آپؐ کے متبعین سے مخصوص کر دیا گیا۔ اور جس طرح یہ خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نبی اور رسول کے لئے نہیں کہ وہ خاتم النبیین قرار دیا جاتا ' اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آنیوالے نبی اور منصبِ نبوت پر فائز ہونے والے رسول کا اُمتِ محمدیہ سے ہونا ایک لازمی شرط بغرض خصوصیت مقرر کر دی گئی۔ اور ان دونوں خصوصیتوں کے قائم کرنے سے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز اور کمالِ خصوصی دکھانا مقصود تھا۔ پس جس طرح خاتم النبیین ہونے کی خصوصیت سے آپؐ کے مجد اور شرف کی امتیازی شان کا اظہار ہوتا ہے ' اسی طرح آپؐ کی اتباع اور آپؐ کے فیض سے منصبِ نبوت پر فائز ہونے والے اور اُمتی نبی کہلانے والے کی خصوصیت سے آپؐ کی شانِ افلد کا خاص مرتبۂ کمال ظاہر ہوتا ہے۔ نیز اس سے اُمتِ محمدیہ کی اعزازی شان بھی

---

[۱] ترجمہ:۔ اور وعدہ دیا ہے اللہ نے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے تم میں سے ۔ ۔ ۔ ۔ کہ ضرور وہ خلیفہ بنائے گا انکو جیسا کہ اس نے خلیفہ بنائے پہلوں میں +

[۲] ترجمہ:۔ تمہارا امام تم میں سے ہوگا +

پائی جاتی ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور فیض سے منصب نبوت پر فائز ہونے کے لئے اُمت محمدیہ کے کسی فرد کو خاص کرنا دوسرے نبیوں اور رسولوں کی اُمتوں کے بالمقابل اُمت محمدیہ کے خیر اُمت ہونے کے دلائل میں سے ایک عظیم الشان دلیل بھی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی اُمتی کا نبی ہونا کیا بلحاظ شرف اسلام کے اور کیا بلحاظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ اعزاز کے اور کیا بلحاظ اُمت محمدیہ کی فضیلت خاصّہ کے تمام اہل اسلام کے لئے قابل فخر عزت اور قابل شکر نعمت ہے۔ کیونکہ دونوں خصوصیتوں میں سے پہلی خصوصیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں اور رسولوں پر برتر ثابت کرتی ہے، اور دوسری خصوصیت تمام نبیوں اور رسولوں کی اُمتوں پر اُمت محمدیہ کی برتری کا اظہار کرتی ہے۔ اور یہ دونوں خصوصیتیں ایسی ہیں کہ اگر ہمارے علماء مخالفین بے جا تعصب اور ضد سے علیحدہ ہو کر غور فرماتے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت محمدیہ کی جائز عزت و عظمت کا خیال کر کے غور فرماتے، تو انہیں اِن دونوں خصوصیتوں میں سے کسی ایک خصوصیت کی تردید و تکذیب یا بحث و جدال کیساتھ اُلجھنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہاں قوم یہود یا قوم ہنود یا قوم نصاریٰ یا کسی اور قوم کی طرف سے اس کے متعلق بحث اُٹھائی جاتی، تو گو وہ بحث بھی غلط اور بے ہودہ تھی، تاہم چونکہ مقابلۃً بوجہ احساس طبیعت و غیرت اُنہیں اپنے نبیوں اور رسولوں کے بالمقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اپنی اپنی قوم کے مقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو ہمارا برتری کے ساتھ ظاہر کرنا ناگوار ہو سکتا تھا، سو اگر وہ اس طرح کی بحث کرتے تو چنداں استعجاب کا مقام نہ تھا۔ لیکن اِس بے محل بحث

کے لئے علماءِ اسلام ہی کا میدانِ مقابلہ میں نکل کر آ کھڑے ہونا، اور جو دوسری مخالف قوموں کی طرف سے جھگڑے اور فساد کی کوشش ہو سکتی تھی، اس سے بھی ہزار ہا درجہ بڑھ چڑھ کر مخالفانہ کوششوں میں علماءِ اسلام کا مصروف ہو جانا، اور آیت خاتم النبیین اور مسئلہ ختم نبوت اور اس کی حقیقت کے خلاف ایسے ایسے غلط خیالات اور غلط بیانات کا پیش کرنا جن سے بجائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمتِ محمدیہ کی عزت اور برتری ثابت ہو ان دونوں کی توہین اور ہتک ظاہر ہوتی ہے، اور شماتتِ اعداء کے لئے محض اپنی ہی غلط بیانی سے ایسا موقع پیش کرنا جس سے غیر اقوام کو ہنسی اور تمسخر کا موقع ملے، اور پھر بار بار سمجھانے پر بھی مخالفت اور ضد اور انکار کا ہی مظاہرہ کرنا یہ سعادت اور دانشمندی کا طریق نہ تھا، جو بد قسمتی سے عمل میں لایا گیا۔

(۴) ہمارے علماء مخالفین خود ہی غور فرمائیں کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب ان کے نزدیک یہی درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی طرح کا نبی آنا بھی ممنوع ہے، تو پھر مسیح اسرائیلی جو نبیوں میں سے ایک نبی ہیں، ان کے آنے کے لئے جواز کی صورت کہاں سے پیدا ہو گئی؟ اور حدیث لَا نَبِيَّ بَعْدِي کی نفی سے ان کا استثناء کہاں سے جائز ہو گیا؟ کیا علماءِ اسلام علماءِ اسلام نہیں بلکہ عیسائیوں کے علماء ہیں، کہ مسیح محمدی کا آنا ان کے لئے تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے، جس کی بناء پر وہ اس کی نفی پر زور دیتے ہیں، لیکن باوجود وفاتِ مسیح کے ثبوت کے وہ اس فوت شدہ اسرائیلی مسیح کو محض تحکم کی راہ سے خلافِ منشاءِ قرآن و احادیث صحیحہ اُمتِ محمدیہ کا رسول قرار دے رہے ہیں حالانکہ قرآن اُسے رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کے قول سے اسرائیلی اُمت کا رسول

قرار دیتا ہے، پھر وہ اُمتِ محمدیہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ لیکن ہمارے مخالف علماء ہیں کہ اُسے زندہ قرار دے کر دوبارہ لانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر ایسی کوشش عیسائیوں اور اُن کے پادریوں کی طرف سے ہوتی، تو افسوس نہ تھا۔ لیکن علماءِ اسلام ہو کر اسرائیلی مسیح کے لئے یہ کوشش اور مسیحِ محمدی کے لئے یہ مخالفت کہ اس کا نام بھی سُننا نہیں چاہتے، اور اعتراضات اور اتہامات کے سوا اس کے حق میں انہیں کچھ سُوجھتا ہی نہیں۔ اور اگر پیشگوئی کی رُو سے مسیح موعود کا کام کسرِ صلیب اور قتلِ خنزیر اور بشانِ حکمیت و عدلیت اہلِ مذاہب اور اسلامی فرقوں کے باہمی اختلافات کے درمیان فیصلہ کرنا ہے، تو اس سے خود آنے والے مسیح موعود نبی اللہ کی ضرورت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اور اس آنے والے موعود مسیح اور نبی اللہ کی یہ شان اور اس کے یہ کام اِس بات کے مقتضی ہیں کہ وہ آنیوالا موعود محمدی مسیح ہو، نہ کہ اسرائیلی مسیح۔ کیونکہ اسرائیلی مسیح تو حسبِ ارشاد وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ[1] صرف قوم اسرائیل کا رسول ثابت ہوتا ہے، نہ کہ بنی اسرائیل کے سوا کسی اور قوم کا، اور تورات کا مصدق ثابت ہوتا ہے، نہ کہ قرآن کا۔ اور قیامت کے دن کے واقعہ میں بھی جہاں خدا تعالے نے مسیح اسرائیلی کو مخاطب فرماتے ہوئے اپنی نعمتوں کو اُسے یاد دلائے گا اس میں حسبِ ارشاد وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ یہ بھی فرمائے گا کہ اے مسیح! جب تُو دُنیا میں موجود تھا تو مَیں نے تجھ پر علاوہ اور انعامات کے یہ نعمت بھی کی تھی کہ میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل بھی سکھائی تھی۔ اب اگر دُنیا میں مسیح اسرائیلی کو قرآن بھی سکھایا ہوتا تو اس کا بھی ذکر کیا ہوتا۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ جس طرح تورات ہی کی تصدیق کے لئے مسیح اسرائیلی کو بھیجا گیا

---

[1] ترجمہ: اور جب کہا عیسٰی بن مریم نے اے بنی اسرائیل! یقیناً مَیں رسول ہوں اللہ کا تمہاری طرف تصدیق کرنے والا جو مجھ سے پہلے ہے تورات سے۔

مسئلہ کفر و اسلام کی حقیقت

(از جناب مولانا عبدالاحد صاحب فاضل مدرسہ احمدیہ قادیان)

مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت اس حقیقت سے واقف نہیں کہ انسان کافر کب اور کیوں ہوتا ہے اور نہ یہ علم ہے کہ جس طرح ایمان کے مدارج ہیں اسی طرح کفر کے بھی مدارج ہیں۔ ایک مشرک کافر اور ایک اہلِ کتاب کافر میں فرق ہے۔ اسی فرق کے اظہار کیلئے کفر دون کفر کی اصطلاح رائج ہے۔

کچھ عرصہ ہوا مجھے ایک مجلس میں شریک ہونیکا اتفاق ہوا جسمیں بہت سے معززین موجود تھے ان میں سے ایک نے حاضرین سے میرا تعارف کرایا اور اسکے ساتھ ہی فرمایا کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ جماعت احمدیہ قادیان مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت کر رہی ہے اور انکے موجودہ امام ہر موقع پر مسلمانوں کی صحیح رہنمائی اور خیرخواہی میں مصروف رہتے ہیں اور یہ لوگ اسلام کو ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان سے باہر یورپ و امریکہ میں بھی پھیلانے میں ہمہ تن مصروف ہیں اور احمدی مجاہدین بہت ہمت و استقلال سے اشاعتِ اسلام میں لگے ہوئے ہیں لیکن یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ جماعت احمدیہ قادیان تمام اُن مسلمانوں کو جو حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود نہیں مانتے کافر قرار دیتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب بیشک بہت بڑے عالم اور مجدد تھے لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک شخص خدا کے سب رسولوں، کتابوں، فرشتوں، قیامت، قضاء و قدر وغیرہ سب امور پر ایمان لاتا ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف بھی اسے حاصل ہے مگر بقول احمدی صاحبان جبتک وہ حضرت مرزا صاحب پر ایمان نہیں لاتا مسلمان نہیں ہے۔ گویا حضرت مرزا صاحب کے درجہ میں یہ غلو ہے کہ انکا درجہ خدا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھا دیا جائے۔ ایک شخص خدا اور اسکے رسول کو

مانتا ہے لیکن باوجود اسکے وہ مسلمان نہیں جبتک حضرت مرزا صاحب پر ایمان نہ لائے۔

ہمنے انکی خدمت میں عرض کیا کہ جناب نے مسئلۂ کفر و اسلام پر غور نہیں فرمایا کہ انسان کب کافر قرار دیا جاتا ہے اگر آپنے اس مسئلہ پر غور فرمایا ہوتا تو آپ یہ سوال ہرگز نہ کرتے۔ جناب ہی فرمائیں کہ خدا بڑا ہے یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم؟ اسکا جواب یقیناً یہی ہے کہ خدا بڑا ہے۔ اس صورت میں اگر آپ پر کوئی برہمو سماجی اعتراض کرے کہ جناب میں خدا کا قائل ہوں مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا رسول نہیں مانتا، تو کیا آپ ایسے شخص کو مسلمان قرار دینگے؟ جواب صاف ہے کہ اسے مسلمان قرار نہیں دینگے۔ اب کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ کیا وجہ ہے کہ میں خدا کو مانکر کافر کا کافر رہا جبتک خدا کے ساتھ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہ لاؤں! اور کیا ان حالات میں آپ تسلیم کرینگے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ خدا سے بڑے ہیں۔ کیونکہ ایک شخص خدا کو مانتا ہے مگر جبتک اسکے ساتھ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تب تک وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ فرمائیے! آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

اسپر انہوں نے فرمایا کہ آپ ہی اس پر روشنی ڈالیں۔ انکے ارشاد پر میں نے عرض کیا کہ کافر کے معنے ہیں انکار کرنیوالا۔ اور اصطلاحی کافر وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے کسی حکم کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔ وہ حکم خواہ حضرت آدم لائیں یا حضرت نوح یا حضرت ابراہیم علیہم السلام یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا حضرت مرزا صاحب۔ پس جو شخص بھی خدا کے کسی حکم کو نہ مانیگا وہ کافر کہلائیگا! اگر ایک شخص خدا تعالےٰ کے سب انبیاء کو مانتا ہے لیکن کسی ایک کا انکار کرتا ہے تب بھی وہ کافر ہے کیونکہ اس نے دراصل اس نبی کا انکار نہیں کیا بلکہ اسکے بھیجنے والے کا انکار کیا ہے۔ اسی امر کیطرف قرآن پاک نے یوں اشارہ فرمایا ہے۔ اِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (انعام ع) یعنی اے نبی! کافر لوگ تجھے نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم آیات اللہ کا انکار کرتے ہیں۔

اگر کوئی شخص بادشاہ کے جاری کردہ حکم کو جسے وہ اپنے وزیر کے ذریعہ جاری کرے مانے لیکن اس حکم کو جسے وہ اپنے کسی گورنر یا کسی اور حاکم کے ذریعہ جاری کرے نہ مانے تو وہ عتاب شاہی سے نہیں بچ سکتا

اور ضرور باغی سمجھا جائیگا۔ وہ یہ عذر نہیں کر سکتا کہ میں نے وزیر کی حکم عدولی تو نہیں کی۔ میں نے تو صرف گورنر یا اس سے نچلے درجہ کے کسی حاکم کی حکم عدولی کی ہے۔ اس سے وزیر سے کم درجہ والے حاکم کا وزیر سے بڑا ہونا بھی لازم نہیں آتا۔ اب یہاں وہی سوال پیدا ہوگا جو آپ نے اٹھایا ہے کہ باوجود وزیر کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کے اس سے کم درجہ والے حاکم کے حکم کی عدمِ تعمیل کے باعث اسے کیوں مجرم گردانا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل حکم بادشاہ کا ہے۔ آگے حکم پہنچانے والا خواہ کوئی ہو۔ جب ایک انسان اس کا انکار کریگا تو وہ لازماً خدا کا باغی کہلائیگا جسے اسلامی اصطلاح میں کافر کہتے ہیں۔ اس سے آپ یہ سمجھ گئے ہونگے کہ مامور الٰہی خواہ بڑا ہو یا چھوٹا ہر ایک کا انکار ایک جیسا ہی ہے۔ بڑے درجہ کے مامور کو مانتے ہوئے بھی چھوٹے درجہ کے مامور کو ماننا ضروری ہے۔ اور اس میں بڑے کی کوئی ہتک نہیں ہے۔ اور نہ اس سے چھوٹے کا بڑا ہونا لازم آتا ہے۔

چونکہ اسلام کی بنیاد ظاہر پر ہے۔ اسلئے جبتک کوئی شخص اسلام کو قبول نہیں کر لیتا تب تک وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ ہاں کفر کا اُخروی نتیجہ جو خدا سے دُوری اور جہنم میں داخل ہونا ہے وہ بیشک بغیر اتمامِ حجت کے مترتب نہیں ہوتا جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ یعنی وہ کسی کو تکلیف مالایطاق نہیں دیتا۔ پس جس شخص پر اتمامِ حجت نہیں ہوتی اُس سے مؤاخذہ نہیں کیا جائیگا۔ اور وہ جہنم کی سزا سے محفوظ رہے گا۔ جماعت احمدیہ کے متعلق بعض لوگ جو اہلِ علم ہونیکے مدعی ہیں وہ بھی جماعت احمدیہ کے اس مسلک کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں چنانچہ جمعیۃ العلماء کے آرگن "زمزم" مؤرخہ ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء میں ایک صاحب لکھتے ہیں:۔ "قادیانی حضرات کے متعلق معلوم ہے کہ وہ دُنیا کے تمام مسلمانوں کو کافر اور جہنمی قرار دیتے ہیں اور صرف اپنے آپکو مسلمان سمجھتے ہیں۔" حالانکہ آج سے کئی برس پہلے خود بانی سلسلہ احمدیہ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں اپنے مسلک کو واضح فرما چکے ہیں حضورؑ فرماتے ہیں:۔ "اسمیں شک نہیں کہ جس پر خدا تعالیٰ کے نزدیک اوّل قسم کفر (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار) یا دوسری قسم کفر (یعنی حضرت مرزا صاحبؑ کا انکار) کی نسبت اتمامِ حجت ہو چکا ہے وہ قیامت

کے دن مؤاخذہ کے لائق ہوگا۔ اور جس پر خدا تعالیٰ کے نزدیک تمام حجت نہیں ہوا اور وہ مکذب و مکفر ہے تو گو شریعت نے جسکی بناء ظاہر پر ہے اُس کا نام بھی کافر ہی رکھا ہے اور ہم بھی اسکو باتباع شریعت کافر کے نام سے ہی پکارتے ہیں مگر پھر بھی وہ خدا کے نزدیک بموجب آیت لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا قابلِ مواخذہ نہیں ہوگا" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸۱) اسلئے احمدیوں کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ غیر احمدیوں کو جہنمی قرار دیتے ہیں درست نہیں کسی کا جہنمی یا جنتی ہونا اسکے اعمال پر موقوف ہے لیکن اگر کسی شخص پر اتمام حجت ہی نہیں ہوئی تو اُسے جہنمی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منکر جو اپنے آپکو مسلمان کہتے ہیں ہم بھی انہیں مسلمان ہی سمجھتے ہیں مگر صرف نام کے کیونکہ حقیقتِ اسلام اُن میں نہیں رہی۔ اور یہ ایسی بات ہے جو سب مسلمان کہلانیوالوں کو بھی مسلّم ہے ڈاکٹر اقبال کہہ گئے ہیں ؎

آپ سید بھی ہیں مرزا بھی ہیں افغان بھی ہیں + ہیں بھی کچھ یہ بتائیں کہ مسلمان بھی ہیں؟

جب مسلمانوں سے حقیقتِ اسلام مفقود ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اور آپ نے اپنی بعثت کی غرض یہ بتلائی ؎

بجو دورِ خسروی آغاز کردند + مسلماں را مسلماں باز کردند

پس اِس اعتبار سے کہ مسلمان اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں مسلمان قرار دیا، مگر اس کے ساتھ ہی انکو حقیقی اسلام سے عاری قرار دیا، اور اس حقیقی اسلام کو قائم کرنا اپنا مقصد بیان فرمایا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم مسلمانوں کو کفر کی اسی سطح پر سمجھتے ہیں جس پر عیسائی، یہودی وغیرہ کفار کو کفر دون کفر کے ہم قائل ہیں۔ اور مسلمانوں کو کافر کہنے سے مراد یہ ہے کہ اُن میں حقیقی اسلام نہیں پایا جاتا۔ رہا مسلمانوں کو جہنمی کہنا، سو یہ جماعت احمدیہ پر الزام ہے جس میں قطعاً کوئی صداقت نہیں +

ہندوستان میں
تاریخ تبلیغِ اسلام

(از جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی)

گزشتہ سے پیوستہ

جنوبی ہند کے مغربی ساحل یعنی ملیبار میں تبلیغِ اسلام کے حالات تو آپ نے پڑھ لیئے اب مشرقی ساحل کے حالات بھی سنیئے :-

ہندوستان کے مشرقی ساحل کو مسلمان مَعبر کہتے تھے۔ اس علاقہ پر سب سے پہلے سلطان علاؤ الدین خلجی کے سپہ سالار ملک کافور نے سنہ ۷۱۰ھ/۱۳۱۰ء میں ایک جرار فوج کے ساتھ حملہ کیا۔ مالِ غنیمت میں تین سو بارہ ہاتھی، بیس ہزار گھوڑے اور چھیانوے ہزار من سونا ہاتھ آیا۔ جواہرات اور سچے موتیوں سے بھرے ہوئے بے شمار صندوق اس کے علاوہ تھے۔ یہ سب کچھ مال و دولت ہمراہ لے کر ملک کافور سنہ ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء میں واپس دہلی لوٹ گیا۔ اور معبر سلطنتِ دہلی کا ایک صوبہ بن گیا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۱۳۱) اس حملہ کی وجہ یہ ہوئی کہ سلطنت حاصل کرنے کے لئے سندر پانڈیا کے دو پوتوں میں جھگڑا ہوا۔ اور ان میں سے ایک نے ملک کافور سے امداد کی درخواست کی۔ جس کے نتیجہ میں ملک کافور معبر پر حملہ آور ہوا۔ (تاریخ سلاطین معبر صفحہ ۲۲)

اس کے کچھ عرصہ بعد سلطان محمد تغلق نے کیتھل ضلع کرنال کے ایک شخص سید حسن نامی کو جو اس کے امرائے دربار میں سے تھا معبر کا گورنر مقرر کیا۔ سید حسن وہاں جاکر باغی ہو گیا، اور جلال الدین احسن شاہ کا لقب اختیار کر کے وہاں سنہ ۷۳۵ھ/۱۳۳۴ء میں مسلمانوں کی سلطنت

کی بنیاد رکھی مشہور سیاح ابن بطوطہ جب ۷۴۵ھ ۱۳۴۴ء میں معبر آیا ہے تو اُس وقت اِس خاندان کا چھٹا بادشاہ ناصرالدین محمود یہاں سریر آرائے سلطنت تھا۔ (تاریخ سلاطین معبر ص۱)

اسلامی تسلط سے پہلے یہاں پانڈیا خاندان حکومت کرتا تھا۔ جس کا دارالسلطنت مدورا تھا۔ اِس خاندان کا ایک راجہ تھا سندر پانڈیا۔ جس کا لقب جتر من تھا۔ یہ بڑا عظیم الشان راجہ تھا اور مشرقی ساحل کا سارا علاقہ راس کماری سے لے کر نیلور تک اس کے قبضہ میں تھا۔

اِس راجہ کے عہد میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اسلامی ممالک یعنی عرب اور عراق وغیرہ سے آکر معبر میں آباد ہوگئی۔ اور یہاں تبلیغ کرکے لوگوں کو مسلمان بنانا شروع کیا۔ جتر من اتنا بے تعصب راجہ تھا کہ اُس نے قطعاً اُن سے کچھ تعرض نہ کیا اور یہ اطمینان سے اپنے کام میں مشغول رہے۔

اسلامی ممالک سے آئے ہوئے اِن لوگوں میں سے محمد طیبی نام ایک شخص کے دو لڑکے تھے۔ ایک کا نام جمال الدین ابراہیم تھا اور دوسرے کا نام تقی الدین عبدالرحمن۔ یہ دونوں راجہ کے نوکر ہوگئے۔ راجہ ان پر بڑی عنایت اور مہربانی کرتا تھا۔ اپنی لیاقت اور قابلیت کی بدولت دونوں نے بہت جلد ترقی کی اور امیرالامراء کے درجہ پر پہنچ گئے۔ تقی الدین کو راجہ نے اپنا وزیر اعظم اور نائب السلطنت بنالیا اور پٹن، مونگی اور کاٹل کے علاقے اُسے جاگیر میں عطا فرمائے۔ دونوں بھائیوں نے نہایت وفاداری کے ساتھ راجہ کی خدمت کی۔ اور رعیت میں سے کسی فرد کو اپنے سے ناراض ہونے کا موقع نہیں دیا۔ آہستہ آہستہ تبلیغِ اسلام بھی کرتے رہے۔ مشرقی ساحل کے مختلف شہروں میں جس قدر ہندوؤں نے اسلام قبول کیا سب انہی دونوں بھائیوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ (تاریخ وصاف جلد ۳ ص۳۰۲)

اگرچہ سندر پانڈیا خود مسلمان نہیں ہوا۔ مگر اُس نے کبھی نہ تبلیغ اسلام میں کوئی رکاوٹ ڈالی اور نہ کبھی کسی کو مسلمان ہوجانے کی وجہ سے تکلیف دی۔ یہ نیک دل راجہ

سنہ ۶۹۲ھ ۱۲۹۱ء میں مرگیا۔ (تاریخ سلاطینِ معبر ص۲۱)
متذکرہ بالا دونوں بھائیوں جمال الدین اور تقی الدین کی اسلامی ممالک میں بڑی شہرت اور عزت تھی اور لوگ ملک الاسلام اور ملک الاعظم کے لقب سے ان کو یاد کیا کرتے تھے (سلاطین معبر ص۲۱)

تبلیغِ اسلام کا چوتھا ذریعہ

مُسلمان سَلاطین۔

مسلمان بادشاہوں اور فرمانرواؤں کا بھی تبلیغِ اسلام میں خاص حصہ ہے۔ انہوں نے اِس سلسلہ میں حسب ذیل چھ طریقوں سے کام لیا:۔

(۱) **زبانی تبلیغ کرکے**۔ چنانچہ جب حضرت محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا، تو انہوں نے خود یہاں کے بعض راجاؤں کو زبانی تبلیغ کی اور خدا کا پیغام ان کو پہنچایا۔ (ایلیٹ جلد ۱ ص۱۷۵) دیبل میں داروغہ قیدخانہ کو تبلیغ کرنے اور مسلمان بنانے کا قصہ ہم پہلے مفصل طور پر بیان کرچکے ہیں۔

(۲) **تبلیغی خطوط لکھکر**۔ چنانچہ دمشق میں جب عنانِ خلافت حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے ہندوستان کے مختلف راجاؤں کو تبلیغی خطوط لکھے جس کے نتیجہ میں یہاں کے کئی راجکماروں اور راجاؤں نے اسلام قبول کیا اور اپنے نام عربوں جیسے رکھے۔ (ایلیٹ جلد ۱ ص۱۲۴) ان میں سے ایک راجا کا نام جیشیا تاریخوں میں لکھا ہے۔ (دعوتِ اسلام آرنلڈ ص۲۸) قنوج کے راجہ کو بھی خلیفۂ اسلام کی طرف سے تبلیغی مراسلہ بھیجا گیا تھا۔ (ایلیٹ جلد ۱ ص۱۷۵)

(۳) تبلیغی اعلانات کے ذریعہ بھی مسلم سلاطین نے یہاں کے لوگوں کو مسلمان بنایا ہے۔ چنانچہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق ایسا بادشاہ گذرا ہے جو تمام ملک میں وقتاً فوقتاً تبلیغی اعلانات کرتا رہتا تھا، جن میں اسلام کی خوبیاں اور اسکے محاسن عوام کو بتائے جاتے تھے، اور اس طرح لوگوں کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ ان اعلانات میں اِس بات کی بھی مُنادی ہوتی تھی کہ جو شخص اپنی خوشی سے اسلام قبول کرے گا وہ جزیے سے بری کر دیا جائے گا۔

اِن اعلانات سے متاثر ہو کر ہزارہا ہندوؤں نے اسلام قبول کر کے اپنے پُرانے مذہب کو خیرباد کہا۔ (ایلیٹ جلد ۳ صفحہ ۳۸۶) اس کے ثبوت میں خود فیروز شاہ تغلق کے اپنے الفاظ ہم یہاں نقل کرتے ہیں :۔ "میں نے کافروں کو مسلمان کرنا بھی چاہا اس لئے اشتہار دیدیا کہ جو شخص مسلمان ہوگا وہ جزیہ سے معاف کیا جائے گا۔ جب یہ اشتہار ہندوؤں نے دیکھا تو بہت سے گروہ کے گروہ ہندو اسلام سے مشرف ہوئے۔ چاروں طرف سے روزمرہ وہ آتے ہیں اور اسلام اختیار کر کے جزیہ سے بری ہو جاتے ہیں۔ اُن کو تمغے دیئے جاتے ہیں اور ان کی تعظیم کی جاتی ہے۔" (تاریخ فیروز شاہی بحوالہ تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد دوم صفحہ ۲۳۳)

(۴) اپنا نیک نمونہ دکھا کر بھی شاہانِ اسلام ہندوستان میں لوگوں کو مسلمان بنانے کا باعث ہوئے ہیں۔ اِس سلسلہ میں ایک بہت ہی سبق آموز حکایت سُنیئے۔ اودھ میں بجگوتی راجپوتوں کا خاندان بہت معزز اور مشہور ہے اور یہ سب لوگ مسلمان ہیں۔ ان کا مورثِ اعلیٰ تلوک چند نامی ایک شخص تھا۔ یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جبکہ ظہیر الدین بابر کا بیٹا اور جلال الدین اکبر کا باپ نصیر الدین ہمایوں ہندوستان کے تخت پر متمکن تھا۔ خوشامدی مصاحب اور بدخصلت جلیس بادشاہوں اور امیروں کو اس طرح چمٹے رہتے ہیں جیسے مٹھاس کو مکھیاں۔ عیاشی اور فضول خرچی کی کوئی تحریک

ایسی نہیں ہوتی جس کی طرف یہ بدکردار انہیں اپنے آقا کو راغب کرنے کی کوشش نہ کرتے رہتے ہوں۔ کیونکہ اس قسم کے بدقماش لوگوں کی روزی آقا کی بدراہی پر ہی منحصر ہوتی ہے۔ جتنا زیادہ کسی رئیس کو عیاش دیکھو سمجھو کہ اس کے مصاحب اتنے ہی زیادہ بدطینت ہوں گے۔ مولانا حالی ایسے ہی "شرفا" کی نسبت فرماتے ہیں ؎

امیروں کے بنتے ہیں جب یہ مصاحب ❊ تو جاتے ہیں ہو کر حمیت سے تائب

بدقسمتی سے اسی قماش کے چند لوگ ہمایوں کی بھی ناک کا بال بنے ہوئے تھے۔ ان بدبختوں نے کہیں سے سن پایا کہ تلوک چند کی بیوی شکل و صورت میں اپنا نظیر نہیں رکھتی جھٹ ہمایوں کی خدمت میں پہنچے اور نہایت لسّانی اور چرب زبانی کے ساتھ اس کی تعریف میں ایسے زمین و آسمان کے قلابے ملائے کہ بادشاہ اُس کا بیحد مشتاق ہو گیا تیر نشانہ پر لگا اور مصاحبوں کی مراد برآئی۔ انہوں نے کہا "حضور ایک دیہاتی آدمی ہرگز اس قابل نہیں کہ ایسی کوہِ قاف کی پری اُس کے گھر میں رہے۔ وہ تو محل شاہی کی زینت بننے کے لائق ہے اگر اعلیحضرت ارشاد فرمائیں تو اس کا اُٹھا لانا کوئی مشکل امر نہیں۔ تلوک چند کر ہی کیا سکتا ہے! وہ اُس کا حق کیا ہے کہ وہ ایسی حورِ آسمانی کو اپنا رفیق زندگی بنائے رکھے۔ گلاب کا پھول اور موتیا کا پودا تو کچھ چمن اور گلستان ہی میں اچھے لگتے ہیں جنگل اور صحرا میں نہ ہونے چاہئیں نہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ع ہے کون رنگ و بُو کا وہاں اُن کے قدرداں

ہمایوں نہ عیاش تھا نہ ظالم طبع۔ مگر مصاحبوں نے اُسے ایسا شیشے میں اُتارا کہ بادشاہ بے اختیار ہو گیا اور کہنے لگا "جو چاہو کرو"

بس پھر کیا تھا۔ بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ مصاحب دَوڑ پڑے۔ غریب دیہاتی عورت اپنی ہمجولیوں کے ساتھ گاؤں کے ایک میلے میں گئی ہوئی تھی کہ بدبخت وہاں پہنچکر زبردستی اُسے اُٹھا لائے۔ کس کی مجال تھی جو بادشاہی آدمیوں کے سامنے بولتا اور اپنی جان کھوتا؟ ڈر کے مارے سب چُپ رہے اور کوئی شخص اُف نہ کر سکا۔

ابلیس صفت مصاحب "مالِ غنیمت" لیئے محلِ شاہی میں پہنچے اور بڑے فخر کے ساتھ اپنا شیطانی کارنامہ بادشاہ کو سُنایا۔ عورت کو اُس کے حوالہ کیا اور چل دیئے۔ اب تنہائی تھی اور اُس غریب کی قسمت!

ہمایوں نے مصاحبوں کے جانے کے بعد تلوک چند کی بیوی کو دیکھا تو حیران رہ گیا جس قدر مصاحبوں نے اس کے متعلق کہا تھا اُس سے وہ چند پایا۔ خلاصہ یہ کہ آج تک بادشاہ نے ایسی عورت نہ دیکھی تھی جو قدرت کی صناعی کا ایسا بہترین نمونہ ہو۔

ہمایوں نہایت والہانہ طور پر عورت کے نظارہ میں محو تھا کہ یکایک اُس کے دل میں سے آواز آئی "کیا یہ کھلا ہوا ظلم اور بدترین بے حیائی نہیں؟ بادشاہ رعیت کا باپ اور اُس کی جان و مال اور عصمت کا محافظ ہوتا ہے یا اُن پر ڈاکہ ڈالنے والا؟ کیا شرافت اسی کا نام ہے؟ کیا اسلام اِس ذلیل حرکت کی اجازت دیتا ہے؟ جس وقت قیامت میں تُو خدا کے سامنے بطور مجرم پیش ہوگا تو اُس وقت تیرا کیا حشر ہوگا؟"

دل کی یہ لرزا دینے والی آواز سُن کر ہمایوں کی گردن شرم و ندامت سے جُھک گئی۔ وہ پسینہ پسینہ ہوگیا اور سخت پشیمان ہو کر سوچنے لگا کہ "افسوس! نالائق مصاحبوں کے بہکانے میں آکر میں کیسا اندھا ہوگیا تھا، میری آنکھوں پر بے حیائی اور بے شرمی کے کیسے پردے پڑ گئے؟ اور اب اِس ناپاک جُرم کی تلافی کس طرح ہو سکتی ہے؟ خدا میری اِس سیاہ کاری کو معاف فرمائے۔"

یہ خیال آتے ہی بادشاہ فوراً سجدہ میں گر پڑا اور نہایت گڑگڑا کر خدا تعالےٰ سے اپنے قصور کی معافی چاہی۔

بے بس اور مظلوم عورت حیرانی کیساتھ یہ نظارہ دیکھ رہی تھی، مگر اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ بادشاہ نے سجدہ سے سر اُٹھایا تو وہ بدستور کھڑی خوف کے مارے کانپ رہی تھی۔

ہمایوں اب بالکل بدل چکا تھا اور اُس کے پہلے سارے گندے خیالات کافور ہو چکے تھے۔ اُس نے بڑی ہی نرمی کے ساتھ عورت سے کہا "تم میری بہن ہو قطعاً مت ڈرو اور میرے محل میں آرام سے رہو تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں فوراً تمہارے شوہر کو بلاتا ہوں۔ پھر تم اُس کے ساتھ چلی جانا۔" یہ کہہ کر عورت کو محل میں بھیجدیا اور اس کی خاطر مدارات کی تاکید کر دی۔

اس کے بعد ہمایوں نے ایک سپاہی بھیج کر تلوک چند کو بلوایا۔ جب سرکاری پیادہ اُسکے پاس پہنچا تو وہ غریب بیوی کی طرف سے تو مایوس ہو ہی چکا تھا سمجھا کہ اب میری جان کی بھی خیر نہیں، دربار میں پہنچتے ہی مار ڈالا جاؤں گا۔ لیکن حکم حاکم مرگِ مفاجات۔ کیا کرتا چار و ناچار سرکاری پیادہ کے ساتھ ہو لیا۔ اور گھر والے روتے پیٹتے رہ گئے۔

پیادہ نے حضورِ سلطانی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "فرمانِ عالی کی تعمیل میں تلوک چند کو لے آیا ہوں اور وہ در دولت پر حکم شاہی کا منتظر ہے۔"

ہمایوں نے کہا "فوراً بلاؤ۔" اور ساتھ ہی ایک دوسرے خادم کو حکم دیا کہ تلوک چند کی بیوی کو محل سرا میں سے لے آؤ۔"

تلوک چند بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بالکل خلافِ توقع بادشاہ اُس سے نہایت ہی مہربانی سے پیش آیا۔ وہ بہت متعجب تھا کہ کیا معاملہ ہے؟ اتنے میں اُس کی بیوی بھی آگئی اور خاوند کو دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔ مگر تلوک چند نے اُسے دیکھتے ہی اپنا مُنہ پھیر لیا۔ درحقیقت اُسے اپنی بیوی کو دیکھ کر اور یہ خیال کر کے کہ اب یہ محلِ شاہی کی زینت ہے بڑی روحانی کوفت ہوئی تھی۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنی بیوی کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے لیکن بیوی بڑی طمانیت کے ساتھ اُس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

اب ہمایوں نے کہنا شروع کیا "تلوک چند! تم میری رعایا ہو اور تمہاری ہر قسم کی حفاظت بحیثیت بادشاہ میرا فرض ہے۔ تم سے نرمی اور محبت سے برتاؤ کرنے کا مجھے

اسلام کی طرف سے حکم ہے۔ میرے آقا اور مقتدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے
رعایا سے ہمدردی اور سلوک کرنے کا مجھے ارشاد فرمایا ہے۔ مَیں قیامت کے روز
خدائے ذوالجلال کے حضور اُس سے بدرجہا زیادہ اپنے اعمال کا جواب دہ ہوں گا
جیسا ایک ادنیٰ سرکاری ملازم آج میرے آگے جوابدہ ہے۔ مَیں بالکل صاف طریق
سے لیکن نہایت ہی شرمندگی کے ساتھ اپنے اِس جُرم کا اقرار کرتا ہوں جو مجھ سے
تمہاری بیوی کو پکڑوا منگانے میں سرزد ہوا۔ مگر فوراً مجھے اِس ناپاک حرکت پر
پشیمانی ہوئی۔ میرے دل نے مجھ پر لعنت کی اور مَیں روزِ حشر میں خدا تعالےٰ
کے سامنے بطور مجرم کھڑا ہونے سے ڈر گیا۔ مَیں نے فوراً تمہاری بیوی کو محلِ شاہی
میں بھجوا دیا اور اس کے بعد سے اِس وقت تک مَیں نے اس کی شکل نہیں دیکھی۔
مگر جو کچھ ہو چکا ہے اس کا افسوس مجھے عمر بھر رہے گا۔ تمہیں مَیں نے اس لئے بُلوایا
تھا کہ تمہاری امانت تمہارے حوالے کر دوں۔ اور اس امانت میں جس خیانت کا
مَیں نے اپنے نفس سے مجبور ہو کر ارادہ کیا تھا اس کی معافی تم دونوں سے مانگوں۔
اپنے گناہ کے کفارہ کے طور پر وہ علاقہ جس میں تم رہتے ہو سارے کا سارا
تمہیں عطا کرتا ہوں۔ اور فرمان جاری کر دیتا ہوں کہ اُس علاقہ کے تمام کھیتوں
اور زمینوں پر تمہارا قبضہ کرا دیا جائے۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ تمہیں خزانۂ
شاہی سے مل جائے گا۔ جاؤ اور جاگیر کے انتظام میں معروف ہو۔ مگر جانے سے
پہلے خوشی کے ساتھ یہ کہتے جاؤ کہ "ہم دونوں نے تیرا قصور معاف کیا۔"

سلطانِ وقت کا اپنے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر تلوک چند کا دل رقت سے بھر گیا۔
اور وہ کہنے لگا "حضور عالی! مَیں تو اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو کر یہاں آیا تھا۔
اور مجھے ہرگز یہ امید نہیں تھی کہ یہاں سے زندہ واپس ہوں گا۔ لیکن خدمتِ سلطانی
میں پہنچ کر جو کچھ مَیں نے حضور والا کی زبانِ مبارک سے سُنا وہ بالکل میری توقعات کے

خلاف تھا۔ میں اپنی بیوی کو صبر کر چکا تھا اور اس بات کا مجھے وہم بھی نہ آیا تھا کہ زندگی میں پھر کبھی اس کی شکل دیکھوں گا۔ مگر حضور کے اعلیٰ اخلاق نے مجھے بندۂ بے دام بنا لیا۔ جو مذہب ایسی اعلیٰ اور ایسی بہترین تعلیم دیتا ہے اور جس مذہب کے پیروؤں کے اخلاق و عادات ایسے بے نظیر ہوں، کیوں نہ اُسے اختیار کیا جائے۔ پس میں آج سے اپنے سابقہ مذہب کو چھوڑتا ہوں اور اسلام قبول کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہمیشہ نیکی اور نیک بختی کی توفیق دے۔"

تلوک چند نے یہ کہہ کر اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ وہ پہلے ہی بادشاہ کے حسنِ سلوک سے بے حد متاثر تھی۔ کہنے لگی "اچھا ہوا کہ تم نے خود ہی اپنے اسلام کا اظہار کر دیا۔ میں تو بادشاہ کے اس احسان کی وجہ سے اور اس حسنِ سلوک کے باعث جو محلِ سلطانی میں میرے ساتھ ہوا دل میں پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی۔ اور سوچ رہی تھی کہ اب تمہارے ساتھ کس طرح بسر ہوگی۔ پس میں بھی بڑی خوشی کے ساتھ اپنے اسلام کا اعلان کرتی ہوں۔ خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے جن کی بدولت ہمیں اسلام جیسی بیش بہا دولت ملی۔"

اس کے بعد ہمایوں نے دونوں میاں بیوی کو بڑی مہربانی کے ساتھ رخصت کیا۔ اور تلوک چند کی مسلمان اولاد آج تک ہمایوں کی بخشی ہوئی جاگیر پر قابض اور بڑے عیش و آرام سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ (گزیٹیر صوبہ اودھ جلد اوّل صفحہ ۳۶۶ اور دعوتِ اسلام آرنلڈ صفحہ ۲۷۶)

(۵) بخشش کر کے، جاگیریں دے کر اور مال و منال عطا کر کے بھی ہندوستان کے بادشاہوں نے لوگوں کو موقع دیا کہ وہ اسلام کو قبول کریں۔ چنانچہ اورنگ زیبؒ کے متعلق شمس العلماء مولانا ذکاء اللہ اپنی مشہور کتاب "تاریخ ہندوستان" جلد ۸ صفحہ ۴۷ میں لکھتے ہیں :-

"عالمگیر اورنگ زیب نے کسی ایک ہندو کو بھی زبردستی مسلمان نہیں کیا مگر اُس کے عہد کی تاثیر ایسی تھی کہ دار الخلافہ اور اطراف میں ہنود مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ جو ہندو مسلمان ہوتا اُس کو مہام شرعیہ کے ناظم بادشاہ کی بارگاہ میں لاتے اور اُسے کلمۂ طیبہ کی تلقین کرتے اور بادشاہ اُس کو خلعت و انعام اور نقود دیتا اور بقدر حال اُس کے عطایا سے نوازش کرتا۔ اور جو مت از ہنود مسلمان ہوتے تو وہ بے واسطہ بادشاہ پاس آتے۔ اور بادشاہ اُن کو خود اپنی زبان سے کلمۂ طیبہ پڑھواتا اور خلعت اور عنایات سے اُن کو فائز کرتا۔"

اگرچہ روپے کے لالچ اور مال کی طمع سے مسلمان ہونے والے ہندو بندۂ زر، مال کے بھوکے اور عام طور پر خوشامدی شخص ہوتے تھے اور بادشاہ بھی اس بات کو خوب سمجھتے تھے۔ لیکن وہ ان سے اس لئے حسن سلوک سے پیش آتے تھے کہ اگر ان کے دلوں میں اسلام پورے طور پر جڑ نہیں پکڑے گا تو ان سے جو نسل چلیگی وہ سچی اور پکی مسلمان ہوگی۔ اور بعد کے واقعات سے ظاہر ہے کہ مسلمان بادشاہوں کا یہ اندازہ بالکل ٹھیک ثابت ہوا۔

کچھ اورنگ زیب پر ہی موقوف نہیں۔ شروع سے ہندوستان کے سلاطین اسلام کا طریقہ یہی رہا کہ منجملہ دیگر فرائض سلطنت ادا کرنے کے وہ اِس بات کا بھی باقاعدہ التزام رکھتے تھے کہ جو ہندو اُن کے پاس مسلمان ہونے کے لئے آئے وہ اُسے کلمہ پڑھواتے اور نقد و جنس سے اُس کی امداد کرتے تھے، مگر اِس عمل میں زبردستی یا جبر و زور کا نام و نشان نہ تھا۔ چنانچہ جو اوقات اِس کام کے لئے مقرر تھے اُن میں بکثرت ہندو آتے اور مسلمان ہونے کے بعد انعامات سے مالامال ہو کر واپس جاتے۔ مولانا ذکاء اللہ کے الفاظ یہ ہیں :-

"اُس وقت ہند میں یہ دستور تھا کہ جو ہندو اسلام میں آتا وہ بادشاہ کے روبرو جاتا اور علیٰ قدر مراتب اُس کو لباس فاخرہ اسونے کے کنٹھے و کڑے بادشاہ دیتا۔" (تاریخ ہندوستان جلد ۲ ص۳)

اِس دستور کی بدولت تو ایک مرتبہ ہندوستان میں ایسا عظیم الشان فتنہ برپا ہوا کہ سلطنت تباہ ہوگئی اور ایک بادشاہ اور اُس کے خاندان کے سارے شہزادوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ واقعہ حسب ذیل ہے:۔

ہندوستان کے مشہور و معروف شہنشاہ سلطان علاؤ الدین خلجی کی وفات کے بعد دہلی کی سلطنت پر سلطان قطب الدین مبارک شاہ (۷۱۷ھ تا ۷۲۱ھ) متمکن ہوا۔ اِس بادشاہ کے عہد میں ایک نہایت خبیث اور کمینہ انسان جو بہت ہی نیچ ذات کا ہندو تھا اسی انعام و اکرام کے لالچ میں بادشاہ کے پاس آکر مسلمان ہوگیا۔ اور اپنا نام حسن رکھا۔ بدنصیب بادشاہ کو نہ معلوم اس کم بخت کی کونسی ادا پسند آئی کہ اُسے اپنی خدمت میں رکھ لیا۔ اور اُس پر بے حد عنایات کرنی شروع کیں اور تھوڑے ہی دنوں میں اُسے خسرو خاں کا خطاب دے کر وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان اس کے حوالے کر دیا۔ بادشاہ کو اس سے اتنی محبت تھی کہ ایک دم کے لئے بھی اُس کو یہ گوارا نہ تھا کہ خسرو خاں اُس سے جُدا رہے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "خسرو خاں کے سر کا ایک بال مجھے اپنی ساری سلطنت سے زیادہ عزیز ہے۔"

اِس کافر نعمت اور نمک حرام نے اس قدر عروج پاکر اب چاہا کہ اپنے ولی نعمت اور آقا کو ٹھکانے لگا کے اور اُس کی جگہ خود بادشاہ ہو جائے۔ اس لئے پہلے تو اُس نے یہ کام کیا کہ تمام سابقہ مقربینِ بارگاہِ سُلطانی کو آہستہ آہستہ برخاست کر کے اُن کی جگہ اپنے ہندو بھائی بند مقرر کئے۔ شاہی محل کو تمام ہندو سپاہیوں اور چوکیداروں سے بھر دیا۔ اس کے بعد سلطنت کے تمام بڑے بڑے عہدوں پر

اپنے رشتہ داروں کو مقرر کیا۔ جب سب کام پختہ ہو گیا تو اب اُس نے بادشاہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ (تاریخ ہندوستان جلد ۲ ص۳)

اس قتل کی کیفیت مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں اس طرح لکھی ہے:۔

خسرو خاں اپنے آقا کے قتل کا سارا انتظام کر چکنے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "ہندوؤں کی ایک جماعت حضورِ سلطانی میں حاضر ہو کر مسلمان ہونا چاہتی ہے۔ مگر وہ لوگ اپنے رشتہ داروں کی ملامت اور اپنے ہم مذہبوں کے طعن کے خوف سے دن کو خدمت سلطانی میں آنے سے شرماتے ہیں۔" بادشاہ نے کہا "کوئی مضائقہ نہیں اُنہیں رات کو میرے پاس لے آنا۔" واپس جا کر اس کمینہ نے چند ہندوؤں کو منتخب کیا اور اُن کو اپنے ارادہ سے مطلع کر کے اپنے ساتھ محل میں لے آیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ بادشاہ نے اپنا پلنگ محل کی چھت پر بچھوایا تھا۔ اور وہ وہیں اُن لوگوں کی آمد کا منتظر تھا۔

خسرو خاں بادشاہ کی خدمت میں پہلے چلا آیا۔ اور کہنے لگا "حضور وہ لوگ مسلمان ہونے کے لئے آرہے ہیں۔" بادشاہ نے کہا "اچھا۔"

محل کے پانچ دروازے تھے جن پر خسرو خاں کے آدمی پہلے سے متعین تھے۔ اس لئے وہ لوگ جن کو خسرو خاں نے بادشاہ کو قتل کرنے کے لئے مقرر کیا تھا، اُن دروازوں سے بے روک ٹوک چلے آئے۔ لیکن جب پانچویں دروازے پر پہنچے تو قلعہ شاہی کے داروغہ قاضی خاں کو ان لوگوں کی شکلیں دیکھ کر کچھ شبہ ہوا۔ اور اُس نے کہا "ٹھہرو۔ پہلے تم لوگوں کے لئے بادشاہ سلامت سے اجازت لے لی جائے پھر تم جانا۔" ان قاتلوں نے سوچا کہ یہ تو بنا بنایا کام بگڑا۔ داروغہ خبر نہیں بادشاہ کے کان میں کیا جا کر پھونک دے اور سارا منصوبہ دھرا رہ جائے۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً تلوار نکال قاضی خاں کا صفایا کر دیا۔

شور و غل جو ہوا تو بادشاہ نے گھبرا کر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ خسرو خاں نے اطمینان سے جواب دیا "کچھ نہیں، ان آدمیوں کو قاضی خاں نے خواہ مخواہ روکا ہوگا۔ اس پر کچھ تُو تُو میں میں ہونے لگی ہوگی" مگر بادشاہ سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ اور میری جان کی خیر نہیں۔

یہ سوچ کر وہ چھت سے نیچے بھاگا کہ محل میں پہنچکر دروازہ بند کرے۔ خسرو خاں نمک حرام اس کے پیچھے بھاگا۔ اور اُس کی کمر کو پکڑ لیا۔ اتنے میں اس کے آدمی پہنچ گئے اور انہوں نے بادشاہ کا سر کاٹ کر صحن میں پھینک دیا۔ اس کے بعد محل میں گھس گئے۔ اور خاندان شاہی کے ہر فرد کو حتّٰی کہ شیر خوار بچوں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور اس طرح خلجی خاندان کا خاتمہ کر دیا۔

دوسرے دن یہ بدذات، نمک حرام، خبیث اور پاجی انسان ناصر الدین خسرو خاں کا لقب اختیار کر کے تختِ سلطنت پر بیٹھا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ ظاہر میں مسلمان اور باطن میں کٹّا ہندو تھا۔ بادشاہ ہوتے ہی ایسے ظلم وستم پر کمر باندھی کہ خدا کی پناہ۔ بڑے بڑے معزز مسلمان امراء کی بیویاں زبردستی چھین کر ہندوؤں کے حوالے کر دیں۔ مسجد کی محرابوں میں بُت رکھوائے اور وہیں ہندوؤں کو بلا کر اُن سے اُن کی پُوجا کرائی۔ کم بخت نے شہر بھر کے قرآن جمع کر لیئے۔ اور اُن کی بہت سی اونچی اونچی ڈھیریاں لگوا دیں۔ اس کے بعد ہندوؤں کو اُن پر بٹھایا۔ غرض ایسے ایسے افعال ناشائستہ اور حرکاتِ قبیحہ اُس سے سرزد ہوئیں کہ شرم وحیا نے اپنا مُنہ پیٹ لیا۔

مولانا ذکاء اللہ لکھتے ہیں کہ "اگر خسرو خاں کسی عالی خاندان سے ہوتا تو یقیناً اتنا زبردست راجہ ہوتا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں پھر دوبارہ سلطنت کا آنا بڑا دشوار ہو جاتا۔ مگر خسرو خاں کی ذات پرواری تھی اور پرواا ایسی گندی، ناپاک اور نیچ ذات

ہندوؤں کی ہے کہ اعلیٰ گھرانوں کے ہندو اس ذات کے افراد کو اپنے شہر میں گھر بھی نہیں بنانے دیتے۔ اور انہیں نہایت ہی ذلیل اور ناپاک سمجھتے ہیں۔ اس لئے عام ہندوؤں نے خسرو خاں کا ساتھ دینے میں اپنی بے عزتی سمجھی اور خاموشی سے بیٹھے تماشا دیکھا کئے"

خسرو خاں کے مظالم آخر رنگ لائے۔ اور ابھی اُسے سلطنت کرتے تین چار مہینے ہی ہوئے تھے کہ قطب الدین مبارک کے امراء میں سے ایک شخص غازی ملک نام حاکم دیپال پور لشکر لے کر اُس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ طرفین میں گھمسان کے معرکے ہوئے۔ جن میں خسرو خاں گرفتار ہوا اور کتے کی موت مارا گیا۔ اُسے پکڑ کر اُسی جگہ لائے جہاں اُس نے اپنے ولی نعمت کا گلا کاٹا تھا۔ اُسی طرح اُس کا گلا کاٹا گیا اور اُسی طرح سر چھت پر سے صحن میں پھینک دیا گیا۔ اس طرح اس کی ناپاک زندگی کا خاتمہ ہوا۔ اور اس کے قتل ہونے کے بعد غازی ملک سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے سریر آرائے سلطنتِ دہلی ہوا۔ خسرو خاں کی ہلاکت ۲۳ رجب ۷۲۱ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۳۲۱ء کو واقع ہوئی۔ (تاریخ ہندوستان جلد ۲ صفحہ ۸۹، ۹۳)

دیکھا آپ نے نالائق اور کم اصل کو عزت دینے اور سر پر چڑھانے کا کیا انجام ہوا۔ مگر اس تمام درد انگیز کہانی میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ باوجود اس قدر سخت تباہی اور بربادی کے اور باوجود اتنا کثیر نقصان اُٹھانے کے مسلم بادشاہوں نے اپنے رویہ میں ذرہ برابر فرق نہیں آنے دیا۔ اُن کے دربار اور اُن کی خلوت گاہیں برابر اور بدستور ہندوؤں کے لئے کھلی رہیں جنہوں نے اپنی خوشی سے بادشاہِ وقت کے پاس آکر مسلمان ہونا چاہا۔ بعد میں کسی ایک مسلم فرمانروا نے بھی یہ خیال نہیں کیا کہ ہم ایک مرتبہ اس دستور کی وجہ سے دھوکہ کھا چکے ہیں آئندہ احتیاط کریں۔ یہ تھا اُنکا ظرف اور یہ تھا انکا تحمل۔ غیاث الدین تغلق کی بجائے اگر کاڈفرے ہوتا تو یقیناً سارے ملک میں بیت المقدس کی طرح گدھوں کے ہل چلوا دیتا اور ہندوستان کی سرزمین پر خسرو خاں کی ظالمانہ اور بہیمانہ کرتوتوں کی پاداش میں ایک ہندو کی

جان بھی سلامت نہ بچتی۔

اِس دستور کی پابندی مسلم سلاطین اِس سختی کیساتھ کرتے تھے کہ اکبر جیسا مذہب سے لاپرواہ اور آزاد انسان بھی اسکی پابندی کے لئے مجبور تھا۔ چنانچہ جب ۹۸۳ھ میں بھاون نام ایک برہمن دکن سے آکر بادشاہ کے حضور میں اپنی خوشی سے مسلمان ہُوا تو اکبر نے اُسے اپنے مصاحبوں میں رکھ لیا اور اس پر بڑی مہربانی کرتا تھا۔ (دربار اکبری ص۱۱۵)

(۶) دلائل اور بحث و مناظرہ کے ذریعہ بھی ہندوستان کے ذی علم اور قابل بادشاہوں نے ہندوؤں تک کلمۂ حق پہنچایا ہے۔ چنانچہ شہنشاہ نور الدین جہانگیر اپنی توزک میں اپنے ایک مناظرہ کا حال لکھتے ہیں جو انہوں نے خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق ہندو پنڈتوں سے کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"ایک دن میں نے پنڈتوں سے پوچھا کہ اگر تمہارے مذہب کا منتہاء یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذاتِ مقدس نے مختلف پیکروں میں حلول کیا ہے تو یہ بات اربابِ عقل کے نزدیک قابلِ قبول نہیں۔ اور اس سے یہ خرابی لازم آتی ہے کہ خدا تعالےٰ جو تمام تعینات سے مجرد ہے صاحبِ طول و عرض و عمق ہو جاتا ہے اور اگر ان اجسام میں نور الٰہی کے ظہور سے مراد ہے تو وہ سب موجودات میں مساوی ہے اور اُن دس پیکروں سے مختص نہیں ہے۔ جن کے متعلق تم کہتے ہو کہ ان میں پرماتما نے حلول کیا۔ اگر کسی صفت کا اثبات مراد ہے تو اِس صورت میں بھی تخصیص درست نہیں۔ کیونکہ ہر دین و مذہب میں صاحبانِ معجزہ و کرامت موجود ہیں اور وہ اپنے اپنے زمانہ میں دانش و فراست میں نہایت ممتاز ہوئے ہیں۔

غرض بہت سی گفت و شنود اور ردّ و بدل کے بعد یہ پنڈت اُس خدا کے معترف ہوئے جو جسم و شکل اور زمان و مکان کی قید سے منزّہ اور بالا ہے۔ ہندوؤں نے

کہا کہ ہمارا یہ خیال ہے کہ ہم ذاتِ مجرد کے ادراک و شعور میں ناقص ہیں۔ صورت کے بغیر خدا کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی اسلئے ہم نے اِن دش پیکروں کو اپنی شناخت و معرفت کا وسیلہ بنایا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ تم اِن پیکروں سے معبودِ برحق تک پہنچنے کا مقصد ہرگز حاصل نہیں کرسکتے۔" (تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد ۶ صفحہ ۲۵)

جہانگیر ویسے تو اکبر جیسے ملحد اور بیدین بادشاہ کا بیٹا اور ایک بدمشرب اور آزاد خیال فرمانروا تھا مگر اسمیں شبہ نہیں کہ اپنے مذہب و عقیدہ کا نہایت پختہ تھا اور اسکو اپنے مذہب کا بہت پاس تھا۔ حرمتِ شرع کا نہایت لحاظ کرتا تھا جب ایکمرتبہ اُس نے سُنا کہ بعض مسلمان نوجوان امیرزادے ایک سنیاسی کی صحبت میں رہکر مذہب سے بیگانہ ہوگئے ہیں اور کفر و زندقہ اختیار کیا ہے تو اُس نے فوراً انکو گرفتار کروا منگایا۔ بعض کو قید کیا اور بعض کو سو سو دُرّے لگوائے۔ خود لکھتا ہے کہ جب میں ایکدفعہ اجمیر گیا تھا تو وہاں ایک لاکھ روپے کی لاگت سے ہندوؤں نے ایک مکان تعمیر کیا تھا جسمیں سنگِ سیاہ کی ایک مورت رکھی تھی جس کا دھڑ آدمی کا سا اور سر سُور کا سا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ کس جانور کی تصویر ہے؟ ہندو کہنے لگے کہ کسی زمانہ میں پرماتما نے سُور کی شکل میں حلول کیا تھا یہ اُسکی شکل ہے۔ مجھے اُسے دیکھکر سخت نفرت اور کراہت پیدا ہوئی اور میں نے اُسکو اسی وقت تُڑوا کر تالاب میں پھنکوا دیا۔"

حالانکہ خود شراب پیتا تھا مگر بڑی سختی کیساتھ حکم جاری کردیا تھا کہ جو مسلمان شراب پیئے گا یا شراب بیچے گا یا شراب بنائے گا سخت سزا پائے گا۔

اُس نے تمام ممالکِ محروسہ میں یہ فرمان بھی جاری کردیا تھا کہ "کوئی مسلمان ہندوؤں جیسی جاہلانہ رسوم اختیار نہ کرے اور نہ کوئی مسلمان اپنی بیٹیاں ہندوؤں کو دے۔ جو ایسا کریگا غضبِ سلطانی کا مستوجب ہوگا۔"

مگر باوجود مذہب کی اسقدر زیادہ پاسداری کے اُس نے تمام ممالکِ محروسہ میں حکم جاری کردیا تھا کہ کوئی مسلمان ہرگز ہرگز کسی ہندو کو زبردستی مسلمان نہ بنائے۔[۱] یہ سب کچھ سہی مگر اس کا کیا علاج کیا جائے کہ اِن شواہد و حقائق کے باوجود دیارانِ وطن کی نظر میں مسلمان حکمران تعصب کے پُتلے اور زبردستی مسلمان بنانیکے عاشق واقع ہوئے تھے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ تعصب کا پردہ مسلمان حکمرانوں پر نہیں بلکہ اس قسم کے معترضین کی آنکھوں پر پڑا ہوا ہے +

(باقی آئندہ)

[۱] [illegible] ذکاء اللہ جلد ۶ [illegible]

اصحاب احمد علیہ السلام ——— (گذشتہ سے پیوستہ)

حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب (سابق جگت سنگھ)

(مرتبہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان)

ایک دن حضرت مولوی صاحبؓ نے بتایا کہ آپ کا روپیہ ختم ہوگیا ہے۔ بھائی جی کو بہت تشویش ہوئی۔ مسجد مبارک میں ظہر کے وقت بہت اضطراب سے دُعا کی۔ آپ کو خیال آیا کہ کھانا تو لنگر سے مل جاتا ہے لیکن دھوبی، نائی کے خرچ کا کیا انتظام ہوگا۔ آپ کو فوج میں تینتیس روپے ملتے تھے، اور سردار ٹرڈپ نے یقین دلایا تھا کہ چند ماہ بعد ترپن روپے ہو جائیں گے۔ بھائی جی کے گذارہ کے لئے یہ رقم کافی تھی۔ تنگی کا زمانہ نہ دیکھا تھا۔ اب جو یہاں آکر سارا اندوختہ ختم ہوگیا۔ تو طبیعت میں فکر پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا۔ آپ نے خدا تعالےٰ سے دُعا کی، کہ وہ خود اپنی جناب سے کوئی راستہ کھولے۔

آپ اُن دنوں بغیر تنخواہ کے بطور محاسب صدر انجمن احمدیہ کام کرتے تھے۔ اُسی دن مسجد مبارک میں صدر انجمن احمدیہ کا اجلاس ہوا۔ جب اجلاس ختم ہونے لگا، تو حضرت میر ناصر نواب صاحب نے کہا، کہ ابھی کچھ اور بات ہے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا، کہ کام تو ختم ہو چکا ہے پھر اور کیا بات ہے؟ حضرت میر صاحبؓ نے کہا کہ سکول کے طالب علم آوارہ پھرتے ہیں، نمازوں میں نہیں آتے، ان کا انتظام کیا جائے کسی نے کہا کہ یہ بات ٹیوٹر (نگران) کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ مگر اس وقت کُل اُنسٹھ روپے سکول کی مد میں ہیں، اور ایکماہ کا خرچ ساٹھ روپے

ادا کرنا ہے۔ گنجائش زائد خرچ کی نہیں ہے۔ حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ نے کہا، خواہ کچھ ہو اس کا انتظام ہونا ضروری ہے۔ اس پر بھائی جی کو اجلاس میں سے باہر جانے کیلئے کہا گیا۔ پھر آپ کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ دو یا تین روپے ماہوار پر وہاں لگا دیا جائے۔ آپ کے لئے دو تین روپے بہت غنیمت تھے۔ آپ کا دل خدا تعالےٰ کے اس فضل پر سرور سے بھر گیا، اور اس کا ہزار شکر ادا کیا۔ بعد میں سکول میں پڑھانے کا کام بھی آپ کے سپرد ہوا، اور تنخواہ تیرہ چودہ روپے ہو گئی، اور پھر بڑھتی گئی۔

آپ کی پیدائش اندازاً ۱۸۷۳ء کی ہے۔ ۱۰ مارچ ۱۸۹۵ء کو قریباً بائیس سال کی عمر میں آپ مستقل طور پر قادیان آرہے، اور اس وقت سے یہیں رہتے ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر قریباً پچھتر سال ہے۔ آپ کو تیرہ سال سے کچھ زائد عرصہ مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزہ صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ آپ بیان فرماتے ہیں کہ:-

(۱) ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ ایران میں تبلیغ کرنے کے لئے کوئی اپنے تئیں پیش کرے، تو میں نے اپنے آپکو پیش کیا لیکن میں ابھی مبتدی تھا اسلئے مجھے نہ بھیجا گیا۔

(۲) ایک دفعہ حضور نے ہم چند نو مسلموں کو یعنی بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی، شیخ عبدالعزیز صاحب اور مجھے مضمون لکھنے کے لئے فرمایا۔ ہم نے تعمیل ارشاد کی۔ حضور نے مسجد مبارک میں پڑھوا کر یہ مضامین بڑے شوق سے سنے۔ میرے مضمون پر حضور نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا، کہ بہت اچھا لکھا ہے۔

(۳) بسا اوقات میں حضور کے دار (گھر) کے ارد گرد رات کو پہرہ دیتا۔ بعض اوقات حضور رات کے کسی حصہ میں دریافت فرماتے کہ کون ہے؟ تو میں عرض کرتا کہ بھائی عبدالرحیم۔[۱]

[۱] بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے مضمون مندرجہ الحکم جلد ۴۲ ۱۵ تا ۱۸ مورخہ

(۴) قادیان کے جو موروثی لاوارث فوت ہو جاتے تھے، چونکہ حضرت ؑ کے خاندان کو اُن کی جائیداد کا قانونی حق پہنچتا تھا، اس لئے مرزا نظام الدین صاحب کے ساتھ ان کے حصول میں امداد کے لئے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام مجھے بھیجا کرتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲)

۲۸ر مئی و ۷ر جون ۱۹۳۹ء سے معلوم ہوتا ہے، کہ لیکھرام کے قتل کے بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکانات کی تلاشی ہوئی۔ تو احباب نے عرض کی کہ احتیاطی تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں۔ چنانچہ بھائی عبدالرحمٰن صاحب لکھتے ہیں کہ "حضور پُرنور نے دوستوں کی درخواست کو منظور فرماتے ہوئے اس موضوع پر ایک مختصر مگر رُوح پرور تقریر فرمائی، اور حکم دیا، کہ بہتر ہے اگر احتیاطاً پہرہ کا انتظام کر دیا جائے۔" (صفحہ ۶)

"خاموش، سنسان اور اندھیری رات کی گھڑیوں میں اچانک کبھی وہ ماہِ کنعان، نورِ قادیان، جانِ جہان، دُنیا و مافیہا کی رُوحِ رواں ہم پر طلوع فرماتا۔ میاں عبدالرحیم ..... میاں عبدالرحمٰن نام لیکر محبت بھری، نرم، شیریں اور دلکش آواز سے نوازتا۔ اور خود ہماری دلجوئی فرماتا.... بارہا وہ رحمتِ مجسّم اپنے رہائشی دالان کی غربی کھڑکیوں سے جھانکتا، نظرِ شفقت و رحمت سے ہمیں نوازتا، اور اپنے دستِ مبارک سے اپنے رومال میں لپیٹ باندھ کر شیرینی، خشک پھل وغیرہ جو بھی ہوتا ہمیں عطا فرماتا، اور دیر تک مصروفِ گفتگو رہ کر خوش وقت فرمایا کرتا... ابتداءً میرے محترم بزرگ و محسن حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب..... بعض افراد دوست اور راقم الحروف اس خدمتِ پہرہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے رہے۔" (صفحہ ۵)

"پہرہ کا ایک دوسرا طریق جو مکانات کی تکمیل کے بعد جاری ہوا، یہ تھا، کہ حضور پُرنور نے ہمیں اپنے مکانات کے بعض حصّوں میں سو رہنے کا ارشاد فرمایا، جہاں محترم حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب اور یہ خاکسار اوّل اوّل دونوں ایک ہی جگہ عشاء کی نماز

تھے۔

(۵) جب حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ عنہ کا مسجد مبارک کے قریب والا مکان بننے لگا، تو مرزا امام الدین صاحب مزاحمت کرتے تھے۔ وہاں بھی مجھے حضور نے بھیجا، مرزا صاحب موصوف ایک بار وہاں آئے، اور مجھ سے دریافت کیا، کہ کیا بن رہا ہے؟ لیکن پھر گورداسپور چلے گئے، اور ہم نے راتوں رات مکان تعمیر کر دیا۔

(۶) حضور ہمیشہ قابلِ اعتبار شخص کو روپیہ دیتے تھے ۱۹۰۵ء کی بات ہے کہ حضور نے فرمایا کہ آٹا ختم ہے آٹا خرید لاؤ حضور دھاریوال سے آٹا لانے، امرتسر اور لاہور سے سودا سلف خریدنے کے لئے بسا اوقات مجھے بھیجتے تھے) میں نے عرض کیا کہ آج میں نے مسہل لیا ہوا ہے حضور کسی اور کو بھیجدیں، یا میں کل لے آؤں گا۔ حضور نے فرمایا، نہیں آٹا ختم ہے، آپ ٹٹو کرایہ پر لے لیں، جہاں ضرورت ہو اتر پڑیں اور فارغ ہو کر پھر چل پڑیں۔ چنانچہ میں نے اسی طرح کیا اور اسی دن دھاریوال سے آٹا خرید کر لا یا۔ کچھ عرصہ لنگر کا انتظام بھی میرے سپرد رہا، حضور نے کبھی حساب کتاب نہیں لیا۔

(بقیہ حاشیہ صلا ۴۳)

کے بعد جاتے، اور صبح کی نماز کے وقت وہاں سے آجایا کرتے۔ بعد میں دونوں کو الگ الگ حصوں میں بھی رہ کر خدمتِ پہرہ کا موقعہ ملتا رہا۔ اور یہ تبدیلیاں مکانات کی شکست و ریخت اور ترمیم و تنسیخ کی بنا پر ہوا کرتی تھیں۔ اور حسب ضرورت ہم لوگ مختلف حصص مکان میں راتوں کو کچھ جاگ کر اور زیادہ سو کر ڈیوٹی دیتے رہے۔ پہرہ کا یہ سلسلہ کم و بیش دو تین سال متواتر جاری رہا، اور مختلف دوست اس خدمت کی سعادت پاتے رہے۔"

(صد ۶ کالم ۱)

بلکہ پورا اعتماد فرماتے تھے۔

(۷) جب حسین کامی سفیر ترکی قادیان آیا، تو حضورؑ نے مجھے امرتسر برف اور بوتلیں لانے کے لئے بھیجا۔ قادیان کیا بٹالہ سے بھی یہ چیزیں دستیاب نہ ہوتی تھیں۔ میں دیر سے پہنچا۔ حضورؑ نے وجہ دریافت فرمائی، تو عرض کیا، کہ سٹیشن پر ایک سپاہی ٹکٹ نہیں لینے دیتا تھا، اور پیسے مانگتا تھا، جو پیسے دیدیتا اُسے ٹکٹ لینے دیتا۔ اس لئے میں گاڑی سے رہ گیا۔ حضورؑ نے فرمایا کہ دفع شر کے لئے اُسے کچھ دیدینا چاہیئے تھا۔

(۸) جب حضورؑ اور حضرت اُمّ المومنین اطال اللہ عمرھا سفر کرتے تو ہمیں حضرت اُمّ المومنین کی رتھ کے ساتھ بطور محافظ جانے کا حکم ہوتا تھا۔ چنانچہ ہم خوب دوڑتے ہوئے بٹالہ تک جاتے اور واپسی پر بھی اسی طرح کرتے۔

(۹) کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ حضورؑ مجلس میں تشریف رکھیں، اور میں حضورؑ کے جسم کو نہ دابوں۔ لیکن جب حضورؑ مجلس میں بیٹھے بیٹھے کوئی تقریر کرتے، تو خود ہی جسم دابنے سے منع فرما دیتے۔ حضورؑ جسم دبوانے کے لئے گھر میں بھی مجھے بلوا لیتے تھے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور میں مرض الموت میں بیمار ہوئے تو نصف شب کو حضرت نواب محمد علی صاحبؓ کو اطلاع ہوئی۔ آپؓ جیل روڈ پر ایک کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں اُن کے ہاں بچوں کے پڑھانے پر ملازم تھا۔ اور انکے ہمراہ لاہور ہی میں تھا۔ حضرت نواب صاحبؓ مجھے پیچھے چھوڑ کر حضرتؑ کے پاس چلے گئے۔ صبح میں بچوں کو لیکر وہاں پہنچ گیا۔ حضورؑ نے قلم دوات منگوائی اور کچھ لکھنے کا ارادہ کیا۔ میں نے یہ دیکھکر حضورؑ کی حالت تشویشناک سُنی تھی، مگر اب اچھی ہے الحمدللہ کہا۔ لیکن حضورؑ جب بیٹھکر لکھنے لگے، تو لکھا نہ جا سکا۔ بے قاعدہ سا قلم چلا۔ تبھی اُس وقت مجھے یقین ہوا کہ حضورؑ کی حالت خطرناک ہے۔

مجھے دیکھ کر حضورؑ نے پہچان لیا اور تبسم فرمایا۔ پھر اپنی ران پر ہاتھ رکھ کر دبانے کا

اشارہ فرمایا۔ چنانچہ میں دابتا رہا، لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا، اور ایک گھنٹہ کے اندر اندر حضورؑ کا وصال ہوگیا۔ وصال کے وقت حضرت نواب صاحبؓ اور میں حضورؑ کی پائینتی کی طرف کھڑے تھے۔

(۱۰) حضورؑ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ میں اور شیخ عبدالعزیز صاحب نومسلم درختوں سے اُتار کر اور بوتلوں میں بھر کر حضورؑ کے لئے لاتے تھے۔ سب سے پہلی بار ہم نے بٹالہ شہر سے بوقت نصف شب بڑی مکھی (ڈُومنا) کا چھتا اتارا۔ رات ہی کو صاف کرکے صبح قادیان پہنچے اور حضورؑ کی خدمت میں پیش کیا۔

(۱۱) حضورؑ پرندوں کا گوشت بہت پسند کرتے تھے، اور فرماتے تھے، کہ ان کے شوربہ سے طاقت آتی ہے۔ چنانچہ حضورؑ کے ارشاد پر میں چڑیا وغیرہ غلیل سے شکار کرکے لادیتا تھا۔

(۱۲) حضورؑ کے ہاں ایک عورت کام کرتی تھی۔ اُس کا جوان عمر بیٹا محمدالدین عیسائی ہوگیا تھا۔ وہ اسے حضرتؑ کے پاس لائی اور روئی پیٹی کہ یہ بیدین ہوگیا ہے۔ وہ ایک دن قادیان سے چلا گیا۔ سخت گرمی اور دوپہر کا وقت تھا۔ حضورؑ نے بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی، شیخ عبدالعزیز صاحب نومسلم اور مجھے اور ایک اور شخص کو بھیجا، کہ تلاش کرو، اور جس طرح بھی ہوسکے لیکر آؤ، ہم تم سے اس کو لیں گے۔ میں نے پوچھا ہم کس طرف جائیں۔ ہمیں علم نہیں، وہ کس طرف گیا ہوگا۔ حضورؑ نے فرمایا بٹالہ کی طرف ہی گیا ہوگا، اور کہاں جانا ہے۔ چنانچہ ہم تینوں روانہ ہوئے۔ خوب تیز بھاگتے تھے۔ جب تھک جاتے تو کچھ دیر ٹھہر کر پھر بھاگتے تھے۔ اُس دن ہم اتنا دوڑے کہ کبھی نہیں دوڑے تھے۔ وڈالہ اور دوانی وال کے درمیان ہم نے اُسے جالیا۔ اُس نے یہ عذر کیا، کہ میں بیمار ہوں بخار ہے، چل کر واپس نہیں جاسکتا۔ عذر معقول تھا۔ اتنے میں ایک خالی یکہ آگیا۔ اس پر اُسے سوار کرکے ہم واپس لے آئے۔ وہ مسلمان

ہوگیا اور کچھ دن بعد میں فوت ہوا[۵]

(۱۳) ۱۸۹۷ء یا ۱۸۹۸ء کے جلسہ سالانہ کی بات ہے۔ کہ حضرتؑ نے انتظام طعام میرے سپرد کیا۔ اور پانچصد روپیہ اس کے لئے مجھے دیا، اور فرمایا کہ سب کیلئے ایک ہی کھانا پکایا جائے۔ بعض نے حضرتؑ سے عرض بھی کیا، کہ فلاں اس انتظام کو اچھا کر سکیگا، لیکن حضورؑ نے مجھی کو پسند فرمایا۔ خواجہ کمال الدین صاحب آئے، اور کہا کہ میرے لئے چاولوں کا انتظام کرا دیں۔ مَیں نے حضرت صاحبؑ کا حکم سنا دیا۔ وہ ناراض ہوئے۔ مَیں نے کہا آپ حضورؑ سے اجازت حاصل کر لیں۔ کہنے لگے کیا مَیں چاولوں کی خاطر حضورؑ کی خدمت میں عرض کروں؟ مَیں نے کہا کہ پھر مَیں تو حکم کا پابند ہوں۔ چنانچہ وہ ہمیشہ اس وجہ سے مجھ سے ناراض رہے۔ میاں غلام محمدؐ صاحب کشمیری کاتب میرے بہت دوست تھے۔ انہوں نے بھی چاولوں کا انتظام کرنے کے لئے کہا۔ میرے

---

[۵] مکرم بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی کے مضمون مطبوعہ الحکم جلد ۴۲ ع ۲۳، ۲۴ مؤرخہ ۲۱-۲۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء سے معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ الدین کی والدہ فضل بی بی، فضل بیگم یا فضل النساء المعروف بہ پھیلاں اہلیہ عبداللہ میراثی ساکن ڈنگہ ضلع گجرات کو شیخ مولابخش صاحب کے ذریعہ علم ہؤا کہ انکے بیٹے میاں احمدؐ الدین ڈنگوی عیسائیت کے زہر سے قادیان جاکر شفایاب ہوئے ہیں، اس لئے وہ اپنے مسلول بیٹے کو علاج کے بہانہ سے قادیان لے آئیں اور نہایت الحاح سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتی رہی، تا کسی طرح اسے روحانی صحت ہو جائے، اور حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ سِل کا علاج کرتے رہے۔ والدہ کہتی تھی کہ ایکدفعہ کلمہ پڑھ لے پھر خواہ مرجائے کئی ماہ وہ یہاں رہا حضورؑ نہایت توجہ سے اُسے سمجھاتے رہے۔ پکڑ کر لانیوالوں میں چوہدری نورالدین اور ایک اور صاحب بھی تھے جسمانی صحت بھی اچھی ہوگئی تھی۔ اور خلاف توقع روحانی صحت بھی حاصل ہوگئی۔ اور مسلمان ہوکر وطن گیا لیکن مرض عود کر آیا اور اسلام کی حالت میں فوت ہؤا۔

انکار اور اس پر اصرار پر انہوں نے حضورؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ حضورؑ ان کی بہت ناز برداری کرتے تھے۔ حضورؑ نے اپنے مکان کی اس کھڑکی کو کھولکر جو اب حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے مکان میں کھلتی ہے، مجھے فرمایا' ان کے لئے سپاولوں کا انتظام کردیں۔ چنانچہ انتظام کر دیا گیا۔ جلسہ کے بعد میں نے سب حساب لکھکر پیش کر دیا' اور عرض کیا' کہ صرف ڈیڑھ آنہ کا حساب کم ہے۔ حضورؑ نے پوچھا کیا وجہ؟ عرض کیا کہ شاید کوئی چیز خرید کر لکھنا بھول گیا ہوں' بہرحال خرچ لنگر ہی میں ہوا ہے۔

(۱۴) حضورؑ مجھ سے دوائیوں کے نسخہ جات بنواتے تھے۔ اور بچوں مثلاً نواب مبارکہ بیگم اور صاحبزادہ مبارک احمدؑ کی آنکھوں میں دوائی ڈالنے کا بھی مجھے ارشاد فرماتے تھے۔

(۱۵) منارۃ المسیح کی بنیاد میرے سامنے رکھی گئی۔

(۱۶) نئی جوتی جب پاؤں کو تکلیف دیتی تو حضورؑ اسکی ایڑی بٹھا لیتے۔ سیر میں اس کی گرد اڑ اڑ کر حضورؑ کی پنڈلیوں پر پڑتی تھی۔ واپسی پر احباب فرط محبت سے اپنے کپڑوں سے صاف کر دیتے تھے۔ حضورؑ کی واسکٹ کے بٹن اپنے ٹھیک سوراخوں میں نہ لگانے کیوجہ سے جلد ٹوٹ جاتے' اور حضورؑ اسکی شکایت حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سے کیا کرتے تھے کہ جلد ٹوٹ جاتے ہیں۔ ایکدفعہ مولینا مرحوم نے صدری کیطرف دیکھا تو بٹن اپنے خانے میں نہ تھے اس پر ہر دو مسکرا دئیے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری وغیرہ حضورؑ کیلئے اچھے لباس' کوٹ وغیرہ بنوا کر لاتے تھے۔ سر مبارک کو تیل لگاتے ہوئے حضورؑ کا ہاتھ داڑھی مبارک سے ہوتا ہوا بعض اوقات سینہ تک چلا جاتا تھا' جس سے کوٹ وغیرہ پر داغ پڑ جاتے تھے لیکن حضورؑ کو ان امور کیطرف توجہ نہ تھی۔ ابتدائی ایام میں حضورؑ بعض دفعہ ترکی ٹوپی بھی استعمال کر لیتے تھے۔ اور تہبند اور بائیں طرف تکمہ (گھنڈی) والا کرتہ بھی پہن لیا کرتے تھے۔ تصنیف میں زیادہ مشغول نہ ہوتے' تو اکثر نمازوں میں دوسروں سے پہلے تشریف لاتے تھے۔ اور ظہر اور مغرب کے بعد زیادہ عرصہ تک مسجد میں رونق افروز رہتے تھے۔ خاموشی کی حالت میں سبحان اللہ اور یا حی و یا قیوم

وصایا

(نوٹ) وصایا منظوری سے قبل اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع کردے۔ (سیکرٹری مقبرہ بہشتی)

نمبر ۸۶۱۴: منکہ محمد عارف ولد محمد بخش قوم وائیں کشمیری پیشہ ملازمت عمر ۴۴ سال ساکن ڈیریالہ جالپ ڈاکخانہ خاص ضلع جہلم۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۵/۱۲/۴۵ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری کوئی جائیداد نہیں۔ میری تنخواہ ۔/۲۲ روپے اور ۔/۱۱ روپے مہنگائی الاؤنس ہے۔ میں اپنی ماہوار آمد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر کوئی جائیداد پیدا کرونگا اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا۔ کمی بیشی کی اطلاع دیتا رہوں گا۔ میرے مرنے پر جس قدر جائیداد ثابت ہوگی اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ محمد عارف مال بنگلہ جیون شاہ نہر ضلع منٹگمری معرفت اوورسیر صاحب۔ گواہ شد۔ محمد یوسف سیکرٹری مال جماعت احمدیہ منٹگمری۔ گواہ شد۔ خورشید احمد انسپکٹر وصایا +

نمبر ۹۸۶۳: منکہ عبدالمنان خان چشتی ولد چوہدری دولت خان صاحب قوم راجپوت پیشہ زمینداری عمر ۴۰ سال پیدائشی احمدی ساکن مرڑودھ ڈاکخانہ خاص ضلع ہوشیارپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۲/۱۲/۴۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد کوئی نہیں۔ میرا گذارہ پنشن پر ہے۔ جو مبلغ ۔/۲۴ روپے ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ آئندہ اگر کوئی جائیداد پیدا ہوئی تو اس کی اطلاع دیتا رہوں گا۔ میرے مرنے کے بعد اگر کوئی جائیداد ثابت ہوگی تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد عبدالمنان خان چشتی۔ گواہ شد۔ عبدالحکیم محاسب انجمن احمدیہ مرڑودھ۔ گواہ شد۔ کیپٹن چوہدری محمد انور خان۔ گواہ شد۔ چوہدری خورشید احمد انسپکٹر وصایا +

نمبر ۹۹۳۳: منکہ سیدہ امۃ الرشید طاہرہ بیگم زوجہ سید بشیر احمد صاحب واقف زندگی قوم سید بخاری عمر ۲۱ سال۔ پیدائشی احمدی ساکن قادیان۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۷/۱/۴۷ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ زیورات طلائی ۴ تولے ۹ ماشے ۴ رتی۔ زیورات نقرئی ایک تولہ تین ماشہ۔ مہر ایک ہزار روپیہ جس میں سے ۔/۴۴۵ روپے بذمہ خاوند ہیں۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ میرے مرنے پر جو

جائیداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ الامۃ: سیدہ امۃ الرشید طاہرہ موصیہ گواہ شد: سید بشیر احمد خاوند موصیہ موصی ۱۹۹۵۔ گواہ شد: چوہدری خورشید احمد اسسٹنٹ دفتر وصایا۔

نمبر ۹۹۷:- منکہ نذیر احمد ولد حاجی جلال الدین صاحب۔ قوم جلیانہ راجپوت پیشہ ملازمت عمر ۳۳ سال پیدائشی احمدی ساکن میانی ضلع سرگودھا اصل قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۵-۲-۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری جائیداد کوئی نہیں۔ صرف -/۲۹ روپے تنخواہ پاتا ہوں۔ اس کے دسویں حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر میری اور کوئی جائیداد بعد میری وفات کے ثابت ہو تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد: نذیر احمد کلرک ڈاک دفتر پرائیویٹ سیکرٹری قادیان۔ گواہ شد: نور محمد باڈی گارڈ حضرت مصلح الموعود قادیان۔ گواہ شد: محمد داؤد کلرک دفتر پرائیویٹ سیکرٹری۔

نمبر ۹۸۶:- منکہ علی احمد ولد چوہدری صدر الدین صاحب قوم جٹ پیشہ ملازمت عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکنہ ٹھیکریوالہ ڈاکخانہ قادیان ضلع گورداسپور۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۹-۱۲-۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد نہیں ہے۔ صرف اس وقت ماہوار آمد مبلغ -/۲۹ روپے ہے۔ اس آمد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد: علی احمد بقلم خود۔ گواہ شد: سید نور محمد شاہ۔ گواہ شد: محمد شاہ صاحب۔

نمبر ۹۹۲۸:- منکہ نواب بی بی زوجہ چوہدری عنایت اللہ نمبردار قوم جٹ گوندل۔ پیشہ خانہ داری عمر ۵۴ سال پیدائشی احمدی۔ ساکن چک ۳۵ جنوبی ڈاکخانہ چک ۳۴ ضلع شاہ پور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱-۱-۴۴ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میرا حق مہر مبلغ -/۵۰۰ ہے جو کہ بذمہ خاوند ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ میری کوئی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ نہیں۔ اگر میرے مرنے پر کوئی دیگر منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد ثابت ہو۔ تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ الامۃ: نواب بی بی بقلم خود۔ گواہ شد: عنایت اللہ خاوند موصیہ۔ گواہ شد: ہدایت اللہ نمبردار ۲۶-۱-۴۴

نمبر ۹۹۱۴:- منکہ رابعہ بی بی زوجہ غلام محمد ریوڑی فروش۔ قوم بٹ عمر ۲۳ سال پیدائشی احمدی۔ ساکن لاہور بھاٹی گیٹ ڈاکخانہ لاہور ضلع لاہور۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳۰-۱-۴۴ حسب ذیل وصیت

کرتی ہوں۔ میری موجودہ جائیداد صرف حق مہر -/۵۰۰ روپے ہے جو کہ بذمہ خاوند ہے۔ اور پانچ روپیہ ماہوار جیب خرچ ہے۔ میں اس کے اور جو جائیداد میری وفات پر ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ الامۃ:۔ نشان انگوٹھا رابعہ بی بی۔ گواہ شد:۔ غلام محمد خاوند موصیہ مذکور۔

نمبر ۹۹۳۶:۔ منکہ مسماۃ بسم اللہ بیگم زوجہ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ قوم شیخ قریشی۔ پیشہ خانہ داری عمر ۲۵ سال۔ پیدائشی احمدی۔ ساکن نابھہ محلہ پانڈولہ ڈاکخانہ خاص ضلع نابھہ صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۴-۲-۴۱ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد صرف حق مہر بمبلغ -/۱۰۰۰ روپے ہے جو میں بیٹے خاوند سے معاف کرچکی ہوں۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ آئندہ جو جائیداد پیدا کروں یا بوقت وفات ثابت ہو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ الامۃ: بسم اللہ بیگم۔ گواہ شد:۔ چوہدری خورشید احمد انسپکٹر بیت المال۔ گواہ شد:۔ شیخ عبد الشکور رئیس نابھہ۔ گواہ شد:۔ شیخ قدرت اللہ والد موصیہ مذکور۔

نمبر ۹۹۳۹:۔ منکہ برکت علی ولد عبد اللہ صاحب قوم رائیں پیشہ زمینداری عمر ۴۴ سال پیدائشی احمدی ساکن محمود پور ڈاکخانہ گوبندگڑھ ضلع کرنال صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۸-۲-۴۱ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ اراضی ۱۸ بیگھہ خام واقعہ موضع محمود پور میں بلا شرکت غیر ہے اور اراضی مرہونہ -/۱۲۰۰ روپے کی ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور قرضہ میرے ذمہ -/۲۰۰ روپیہ ہے۔ وہ منہا سمجھا جائے گا۔ آئندہ جو جائیداد پیدا کروں گا اس کی اطلاع دیتا رہوں گا۔ اس پر اور نیز میری وفات پر جو جائیداد ثابت ہو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ میرا گذارہ سالانہ آمد پر ہے جو کہ -/۱۰۰للہ ہے۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ العبد:۔ برکت علی ولد عبد اللہ۔ گواہ شد:۔ چوہدری خورشید احمد انسپکٹر بیت المال۔ گواہ شد:۔ شیخ قدرت اللہ امیر جماعت احمدیہ نابھہ سٹیٹ۔ گواہ شد:۔ شیخ عبد المالک ولد [illegible]

نمبر ۹۹۶۰:۔ منکہ مسماۃ کلثوم زوجہ شیخ عبد الستار قوم شیخ قریشی۔ پیشہ خانہ داری عمر ۲۰ سال۔ تاریخ بیعت ۱۹۲۶ء ساکن نابھہ محلہ پانڈولہ ڈاکخانہ خاص ضلع نابھہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۸-۲-۴۱ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد سوائے مہر -/۱۰۰۰ للہ کے کوئی نہیں۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ میرے مرنے کے بعد جس قدر جائیداد اس کے علاوہ ثابت ہوئی اسکے بھی

۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامۃ میاں کلثوم۔ گواہ شد:۔ چوہدری خورشید احمد انسپکٹر بیت المال۔ گواہ شد:۔ شیخ عبدالستار ولد شیخ عبدالعزیز۔ گواہ شد:۔ شیخ قدرت اللہ امیر جماعت احمدیہ۔ گواہ شد:۔ شیخ عبداللہ ریڈر محکمہ توشہ خانہ نابھہ نمبر ۹۹۴۷ :۔ منکہ میاں رحیم بخش ولد میاں کریم بخش صاحب قوم ارائیں پیشہ زمینداری عمر ۳۰ سال پیدائشی احمدی ساکن نابھہ محلہ پانڈولہ ڈاکخانہ خاص ضلع نابھہ صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۵/۲/۴۷ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ مکان پختہ سکونتی مغرب شادی خان احمدی۔ مشرق سڑک شارع عام۔ شمال مکان عبدالشکور و نور محمد۔ جنوب شارع عام ہے قیمتی ۵۰۰/- روپے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ مگر میرے ذمہ ۱۰۰/- روپے قرض بھی ہے یہ منہا سمجھا جاوے۔ میرا گذارہ سالانہ آمد زمینداری پر ہے جو غیر معین ہے۔ جو مبلغ ۱۰۰/- روپے ہے اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ نیز میرے مرنے پر جو جائیداد ہو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد:۔ میاں رحیم بخش۔ گواہ شد:۔ عبدالعزیز۔ گواہ شد:۔ شیخ قدرت اللہ۔ گواہ شد:۔ چوہدری خورشید احمد انسپکٹر وصایا۔

نمبر ۹۹۴۶ :۔ منکہ رحمت اللہ ولد میاں برکت علی صاحب قوم ارائیں پیشہ ٹیلرنگ عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی ساکن نابھہ محلہ پانڈولہ ڈاکخانہ خاص ضلع نابھہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۵/۲/۴۷ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد ایک مکان ہے جس کا حدود اربعہ شمال مکان ہدایت شاہ فقیر۔ جنوب مکان خیر دین درزی۔ مغرب مکان سوندھی۔ مشرق سڑک شارع عام۔ جس کی موجودہ قیمت ۸۰۰/- روپے ہے۔ جس میں ہم دو بھائی مشترک ہیں۔ جو میرا بھائی بشیر احمد ہے وہ نصف کا مالک ہے۔ میں اپنے نصف کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ میرا گذارہ ماہوار آمد پر ہے جو غیر معین ہے۔ اندازاً ۳۰/- ماہوار ہے۔ اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ کمی و بیشی کے مطابق حصہ وصیت ادا کرتا رہوں گا۔ میرے مرنے پر جو مزید جائیداد ثابت ہو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد:۔ رحمت اللہ۔ گواہ شد:۔ چوہدری بشیر احمد ولد ظہور احمد۔ گواہ شد:۔ چوہدری خورشید احمد انسپکٹر وصایا۔ گواہ شد:۔ شیخ قدرت اللہ۔

نمبر ۹۹۴۵ :۔ منکہ رحیم بی بی نابینہ بنت قدرت اللہ صاحب امیر جماعت نابھہ قوم شیخ قریشی۔ پیشہ خانہ داری عمر ۲۵ سال پیدائشی احمدی ساکن نابھہ ڈاکخانہ خاص ضلع نابھہ صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۸/۲/۴۷ حسب ذیل

وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ زیورات طلائی کی تفصیل:۔ کمپا کلی وزنی ۴ تولہ قیمتی ۴۰۰/- روپے۔ کانٹے ایک جوڑی وزنی ڈیڑھ تولہ قیمتی ۱۵۰/- روپے۔ آرسی طلائی وزنی ۱ تولہ قیمتی ۱۰۰/- روپے۔ زنجیری طلائی ۱ تولہ قیمتی ۱۰۰/- روپے۔ انگوٹھی طلائی وزنی ۵ ماشہ قیمتی ۴۱/- روپے نقدی مبلغ ۳۰۰/- روپے = کل جائیداد قیمتی مبلغ ۱۰۹۱/- روپے ہوئی۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ میری وفات پر اگر کوئی مزید جائیداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد:۔ نشان انگوٹھا سماۃ رحم بی بی۔ گواہ شد:۔ چوہدری خورشید احمد انسپکٹر وصایا۔ گواہ شد:۔ شیخ عبد الرشید ورینڈر توشہ خانہ۔ گواہ شد:۔ شیخ قدرت اللہ ولد موسیٰ

نمبر ۹۹۵۵:۔ منکہ شادی خاں ولد سید اقوم ارائیں پیشہ واہی عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۱ء ساکن نابھہ محلہ پانڈولہ ڈاکخانہ خاص ضلع ریاست نابھہ ضلع: صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲/۴/۴۷ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ ایک مکان واقعہ محلہ پانڈولہ قیمتی ۱۰۰/- روپے کا ہے۔ اس کے علاوہ میرا گذارہ سالانہ آمد پر ہے جو غیر معین ہے۔ قریباً ۲۰۰/- سالانہ آمد ہو جاتی ہے۔ جائیداد اور آمد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز آئندہ جو جائیداد پیدا کروں یا بوقت وفات ثابت ہو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد:۔ شادی خاں۔ گواہ شد:۔ چوہدری خورشید احمد انسپکٹر وصایا۔ گواہ شد:۔ چوہدری بشیر احمد ساکن نابھہ۔ گواہ شد:۔ شیخ قدرت اللہ پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ نابھہ۔

نمبر ۹۹۵۷:۔ منکہ علی بخش ولد میاں عبد اللہ صاحب قوم ارائیں پیشہ زمینداری عمر ۲۶ سال تاریخ بیعت ۱۹۳۰ء ساکن نابھہ محلہ پانڈولہ ڈاکخانہ خاص ضلع نابھہ صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲/۴/۴۷ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد ایک مکان ہے جس میں ہم تین بھائی کریم بخش و ولی محمد پسران میاں عبد اللہ صاحب ہیں۔ مکان کا حدود اربعہ شمال کوچہ آمد و رفت جنوب سرائے۔ مغرب سڑک۔ مشرق مکان عبد الغنی صاحب جس کی موجودہ قیمت ۳۰۰/- روپے ہے جس کے ۱/۳ حصہ کا میں مالک ہوں۔ اس ۱/۳ حصہ کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری سالانہ آمد زمینداری بحیثیت مزارع جو مبلغ ۱۰۰/- روپے ہے۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد جو مزید جائیداد ہو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد:۔ علی بخش۔ گواہ شد:۔ چوہدری خورشید احمد انسپکٹر وصایا۔

گواہ شد:۔ شیخ قدرت اللہ۔ گواہ شد:۔ چوہدری بشیر احمد + **نمبر ۹۹۵۹**:۔ منکہ فیض محمد ولد
میاں ظہور احمد صاحب ارائیں پیشہ زمینداری عمر ۳۰ سال پیدائشی احمدی ساکن نابھہ محلہ پانڈولہ
ڈاکخانہ خاص ضلع نابھہ سٹیٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲/۴/۴۷ء حسب ذیل
وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت ایک مکان ہے۔ حدود اربعہ۔ شمال جائے سفید
عبدالغفور صاحب۔ جنوب سڑک۔ مغرب مکان علی نواز صاحب فقیر۔ مشرق شارع عام۔
قیمت موجودہ ۔/۴۰۰۰ روپے ہے۔ اس کے ۱/۶ حصہ کا میں مظہر مالک ہوں — برادران
حقیقی بشیر احمد۔ محمد صدیق۔ نذیر احمد۔ قدرت اللہ۔ حبیب اللہ میں مشترک ہے میرے ۱/۶ حصہ کے
۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرا گذارہ سالانہ آمد پر ہے۔ جو
غیر معین ہے۔ آمد ۔/۱۰۰ روپے ہو جاتی ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ
قادیان کرتا ہوں۔ میرے مرنے پر جو جائیداد ثابت ہو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔
العبد:۔ فیض محمد۔ گواہ شد:۔ چوہدری خورشید احمد انسپکٹر وصایا۔ گواہ شد:۔ چوہدری
بشیر احمد برادر موصی۔ گواہ شد:۔ شیخ قدرت اللہ امیر جماعت نابھہ + **نمبر ۹۹۸۴**:۔ منکہ
عبدالشکور ولد شیخ کریم بخش صاحب مرحوم قوم شیخ قریشی پیشہ ملازمت عمر ۶۰ سال تاریخ بیعت
سنہ ۱۹۰۲ء ساکن بیراور ڈاکخانہ شنبھو خاص ضلع پٹیالہ حال وارد نابھہ محلہ پانڈولہ ڈاکخانہ
خاص ضلع نابھہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲/۴/۴۷ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں
میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ (۱) اراضی تعدادی ۲۵ بیگہ خام۔ اس میں اٹھارہ ۱۸ بیگہ قسم
بارانی رہن پاس شیخ عبدالکریم پسر خود بعوض ۔/۷۰۰ روپیہ کی ہے۔ اراضی موجودہ قیمتی
مبلغ ۔/۱۴۰۰ روپے ہے۔ موضع بیراور میں ایک مکان کچا سکونتی مبلغ ۔/۱۵۰ روپے کا ہے۔ ایک
مکان کچا موضع نابھہ سکونتی محلہ پانڈولہ میں ہے۔ قیمتی ۔/۵۰۰ روپے۔ کل جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی
وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ مگر اس جائیداد زیر رہن رفع کرکے باقی پر
وصیت حاوی ہوگی۔ میری مبلغ ۔/۴۰ + ۔/۱۲ مہنگائی الاونس ماہوار ہے۔ اس کے بھی ۱/۱۰
حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ آمد کی کمی بیشی کی اطلاع کرتا رہوں گا۔ میری وفات پر جو جائیداد
ہو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد:۔ عبدالشکور۔ گواہ شد:۔ چوہدری خورشید احمد
انسپکٹر وصایا۔ گواہ شد:۔ شادی خاں۔ گواہ شد:۔ شیخ قدرت اللہ برادر موصی +
نمبر ۹۹۳۷:۔ منکہ برکت علی ولد شادی خاں قوم ارائیں پیشہ زمینداری عمر ۴۵ سال

تاریخ بیعت ۱۹۲۱ء ساکن علی پور سونٹھیاں پرگنہ حلو ڈاکخانہ جاتہ ضلع اعلو بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۷/۲/۴۳ کو حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ ۱۔ اراضی ملکیتی ۲۰ بیگھہ خام بلا شرکت غیری ہے قیمتی ۲۰۰۰/- روپیہ۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرا گذارہ سالانہ آمد پر ہے جو بذریعہ زمینداری ہوتی ہے ۲۰۰/- سالانہ ہے۔ اور غیر معین ہے۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد جو جائیداد ہو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ ایک مکان سکونتی اس کے علاوہ ہے قیمتی ۴۰۰/- روپیہ اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد:۔ برکت علی۔ گواہ شد:۔ شیخ عبدالشکور۔ گواہ شد:۔ چوہدری خورشید احمد انسپکٹر وصایا۔ گواہ شد:۔ شیخ قدرت اللہ۔

نمبر ۹۷۴۲ مسل نمبر

سید صمصام الدین احمد ولد حضرت مولوی سید اکرام الدین احمد مرحوم و مغفور۔ قوم سید پیشہ معلم۔ عمر ۴۶ سال۔ پیدائشی احمدی ساکن کوسبی سونگھڑہ ڈاکخانہ سونگھڑہ ضلع کٹک صوبہ اڑیسہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۹/۶/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ ۱۔ زرعی زمین اور مکان سکونتی جو ہم چار بھائیوں کے درمیان تقسیم ہو چکی ہے یا کچھ دوسرے شراکت داروں کے ساتھ موجود ہے۔ میرا اپنا حصہ تخمیناً ایک بیگھہ کے درمیان ہے جس کی کل قیمت اندازاً ۵۰۰ روپیہ ہوگی۔ اسکے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اگر اسکے بعد کوئی اور جائیداد پیدا کروں تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا اور اس جائداد پر بھی وصیت حاوی ہوگی۔ لیکن میرا گذارہ صرف اس جائیداد پر نہیں بلکہ ماہوار آمد پر ہے جو کہ اس وقت تک ۲۳ بجو بیس روپیہ ماہوار ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ وصیت کرتا ہوں کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ البتہ اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ وصیت کی مد میں کروں تو اس قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائے گا۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم آمین فقط۔ العبد:۔ عاجز سید صمصام الدین احمد احمدی عفا اللہ عنہ موصی سیکرٹری تعلیم و تربیت جماعت احمدیہ کرڑاپلی تگریا اسٹیٹ (اڑیسہ) گواہ شد:۔ محمد شجاعت علی موصی ۲۰۹۷ انسپکٹر بیت المال حلقہ یوپی بہار و اڑیسہ ۱۱/۹/۱۹۴۴۔ گواہ شد:۔ محمد سلیم مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ۔ گواہ شد:۔ دستخط قمر علی صاحب دہ لبہرا پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ کرڑاپلی تگریا اسٹیٹ ضلع کٹک۔ گواہ شد:۔

(مصاحب خان) سیکرٹری مال جماعت احمدیہ کرڑالی ٭ **نمبر ۹۹۱۷** :ـ منکہ امیر بیگم زوجہ رشید احمد خان
قوم ککے زئی پٹھان پیشہ خانہ داری عمر ۴۴ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان محلہ دارالفضل ڈاکخانہ
قادیان ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۲ر فروری ۱۹۴۷ء
حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد غیر منقولہ ایک مکان پختہ واقع محلہ دارالفضل قادیان
میں ہے جو کہ میرے خاوند مسمی شیخ رشید احمد خان دفتر قانونگوئی اوکاڑہ کے ساتھ مشترکہ ہے۔
اسکی قیمت مبلغ پندرہ سو روپیہ کی میں مالک ہوں۔ اور مبلغ پانصد روپیہ حق مہر میرے خاوند کے ذمہ
واجب الادا ہے۔ اور علاوہ ازیں زیور طلائی پانچ تولے قیمتی پانچسو روپیہ کی بھی مالک ہوں۔
اس کل جائیداد کا دسواں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ میرے مرنے کے
بعد جس قدر جائیداد میری ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ الامۃ :ـ وصیت کنندہ
امیر بیگم زوجہ شیخ رشید احمد خاں دفتر قانونگوئی ساکن قادیان محلہ دارالفضل۔ گواہ شد رشید احمد
بقلم خود خاوند موصیہ۔ گواہ شد :ـ حکیم دین محمد ملٹری اکونٹنٹ حال قادیان دارالفضل ٭

نمبر ۹۹۱۲ :ـ منکہ عائشہ بی بی بیوہ ملک غلام رسول صاحب مرحوم قوم ککے زئی پیشہ تجارت
عمر ۴۷ سال پیدائشی احمدی ساکن لالہ موسیٰ محلہ جامع مسجد ڈاکخانہ لالہ موسیٰ ضلع گجرات صوبہ پنجاب۔
بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۵ ماہ فتح ۱۳۲۶ ہش مطابق ۵ر دسمبر ۱۹۴۶ء حسب ذیل
وصیت کرتی ہوں۔ کہ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت میں بحق صدر انجمن احمدیہ
قادیان کرتی ہوں۔ کڑے طلائی دو عدد وزنی سات تولہ۔ کانٹے طلائی دو عدد وزنی ۵ پانچ ماشہ۔
انگوٹھی طلائی وزنی گیارہ ماشہ۔ کل میزان آٹھ تولہ چار ماشہ۔ جسکی موجودہ قیمتاً آٹھ صد بتیس (۸۳۲) روپیہ
ہے۔ اور سوا اسکے مبلغ چار صد روپیہ میرا مہر ہے کل مبلغ بارہ سو بتیس روپیہ ہے۔ اس کے سوا
میری اور کوئی جائیداد نہیں۔ اگر میری وفات پر کوئی اور میری جائیداد ثابت ہو تو اس کے
۱/۱۰ حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامۃ :ـ عائشہ بی بی بیوہ ملک غلام رسول
صاحب مرحوم نشان انگوٹھا۔ گواہ شد :ـ حکیم محمد قاسم قریشی سکنہ لالہ موسیٰ امیر جماعت
احمدیہ لالہ موسیٰ بقلم خود۔ گواہ شد :ـ مبارک احمد ولد غلام رسول مرحوم پسر موصیہ۔ مبارک احمد
ولد ملک غلام رسول احمدی مرحوم پسر موصیہ بقلم خود ٭